

بہگوت گیتا

رائے روشن لال

www.KitaboSunnat.com



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس
پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

چکوت گیتا

تشریح و وضاحت: راتے روشن لعل ایم کے

www.kitabosunnat.com

فکشن ہاؤس

۱۰۰۰ حیرت انگیز کہانیاں

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

نام کتاب :	بھگوت گیتا
مصنف :	رائے روشن لال
اہتمام :	ظہور احمد خاں
پبلشرز :	فکشن ہاؤس لاہور
کمپوزنگ :	فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرٹرز :	سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور
سرورق :	ریاض ظہور
اشاعت :	2013ء
قیمت :	200/- روپے

تقسیم کنندہ:

فکشن ہاؤس: بک سٹریٹ 39- مزنگ روڈ لاہور، فون: 042-37249218-37237430

فکشن ہاؤس: 52,53 رابعہ سکوائر حیدر چوک حیدرآباد، فون: 022-2780608

فکشن ہاؤس: نوشین سنٹر، فرسٹ فلور دوکان نمبر 5 اردو بازار کراچی

فکشن ہاؤس

○ لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

فہرست

1	تمہید
3	عرض حال
5	دو باتیں
7	ارجن کا دکھ
10	آریہ دھرم
19	کھشتری دھرم
23	بے لوث ہو کر عمل کر
25	قائم العقل انسان
29	عمل میں جٹ جانا (کرم یوگ)
34	دھرم کا زوال اور ظہور حق
38	بے لوث عمل کی عظمت
39	گمراہ کن محبت چھوڑ دو
42	ضبط نفس
43	من
44	تزکیہ نفس
49	ضبط نفس کا طریقہ
56	بھگوان کی لطافت
58	چار قسم کے بھگت
62	آخری وقت کی سوچ، اگلے جنم کی بنیاد
65	ورد خدا
68	حصول خدا
72	نور جمالی

77	جلوہ حق
89	بھگتی حاصل کرنے کی ریاضت
94	حاضر ناظر لیکن غائب
99	تین فطری صفات
105	میں افضل ترین ہوں
108	دیوتائی اور شیطانی صفات
118	تین قسم کی عقیدت
124	نجات کا راز
133	بے لوث عمل کی کتاب ___ گیتا

تمہید

آج سے تقریباً پانچ ہزار سال پہلے کرو کشتیر کے میدان میں مہابھارت کی جنگ عظیم واقع ہوئی۔ اس کا مرقع مہارشی دیدویاس جی نے اپنی لافانی نظم ”مہابھارت“ میں کھینچا ہے۔ یہ جنگ سلطنت کے لئے، ملک و مال کے لئے، مادی دنیا کے لئے لڑی گئی۔ لیکن اسی جنگ کے اندر ایک اور جنگ بھی لڑی گئی جس کو باطنی اور روحانی جنگ کہنا چاہئے۔ یہ فرائض اور جذبات کی جنگ تھی۔ اس کا نقشہ بھگوت گیتا کے لازوال اشعار میں کھینچا گیا ہے۔

واقعات یوں ہیں کہ سرزمین ہند کے بہادر سپوت پانڈو اور کورو اپنے اپنے لشکر صف آراء کئے کھڑے ہیں۔ ارجن رتھ پر سوار ہے۔ شری کرشن اس کا رتھ چلا رہے ہیں اور اس کی درخواست پر رتھ کو دونوں فوجوں کے درمیان لا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ ارجن کوروں کی فوج کی طرف نگاہ ڈالتا ہے اسے نظر آتا ہے کہ کہیں اس کے گورو کھڑے ہیں، کہیں چچا کہیں بھائی کہیں خالو کہیں بھتیجے کہیں دوست، سب ایک دوسرے سے جنگ کے لئے تیار ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر اس کا دل نرم پڑ جاتا ہے۔ اس کے من میں ایک اور جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ کشتری کی حیثیت سے لڑنا اس کا دھرم ہے۔ رحم دل انسان کی حیثیت سے لڑنا اور پھر اپنے عزیزوں سے لڑنا اس کے لئے ادھرم ہے۔ یہ دھرم اور ادھرم کی جنگ، یہ فرائض اور جذبات کی جنگ اس کے دل کو کنزور کر دیتی ہے۔ وہ اس اندرونی جنگ کی رہنمائی بھی شری کرشن کے سپرد کر دیتا ہے تاکہ وہی اس کے من کے رتھ کو بھی چلائیں اور خود جذبات سے متاثر ہو کر اپنی کمان پھینک دیتا ہے اور رتھ میں دل شکستہ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

اب شری کرشن مہاراج اس کو وعظ دیتے ہیں۔ اس کی ٹوٹی ہوئی ہمت کو پھر استوار

کرتے ہیں۔ اس کو راز عالم سے آگاہ کرتے اور بتاتے ہیں کہ یہ راجے مہاراجے، یہ لشکری یہ فوج و سپاہ محض فریب نظر ہیں۔ سب کاموں کا کارن (علت) خود خدا ہے جس کو زوال نہیں۔ انسان کو سب کام خدا ہی کے کام سمجھ کر کرنے چاہئیں۔ خدا کی رضا کے سامنے فرائض کی تکمیل کے وقت انسان کو سب کام ذاتی تعلقات اور جذبات سے بلند ہو کر کرنے چاہئیں۔ اسی سلسلہ میں شری کرشن بے لوث عمل، پیہم عمل اور معرفت کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ارجن اس روحانی قوت کے بل پر پھر ادائے فرض کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔

مہابھارت میں لکھا ہے کہ راجہ دھرت راشٹر درپودھن کا باپ اور کوروں کا جد امجد، آنکھوں سے نابینا تھا۔ جنگ کے آغاز میں مہارشی ویاس جی، دھرت راشٹر کے پاس گئے اور فرمایا، ”اگر آپ جنگ کا نظارہ دیکھنا چاہتے ہیں تو میں آپ کی آنکھوں کو بینا کرنے کے لئے تیار ہوں۔“ لیکن دھرت راشٹر نے کہا، ”میں اپنے ہی خاندان کی تباہی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھنا چاہتا۔“ اس پر مہارشی ویاس جی نے اس کے مطرب (سوت) یا بقول دیگر وزیر کو، جس کا نام سنجے تھا، ایسی باطنی نظر عطا کر دی کہ وہیں بیٹھے بیٹھے وہ جنگ کا نظارہ کر سکتا تھا۔ وہ سب کچھ دیکھتا جاتا اور راجہ دھرت راشٹر کو جنگ کے سب واقعات سنانا جاتا۔ غرض سنجے نے پہلے فوجوں کے انتظام اور اہتمام کا ذکر کیا اور پھر دھرت راشٹر کے سوالوں کے جواب میں تمام گیتا سنائی۔

خواجہ دل محمد

عرض حال

میں کوئی دانشور نہیں ہوں۔ مجھے تو سنسکرت پر بھی عبور حاصل نہیں۔ جب میں لاہور میں مجسٹریٹ لگا ہوا تھا تو ان دنوں مہاتما گاندھی کا ایک مضمون میری نظر سے گزرا جس میں انہوں نے گیتا کی بے حد تعریف کی تھی۔ اور یہاں تک لکھ دیا تھا کہ جب تک گیتا موجود ہے، ہندو دھرم زندہ ہے۔ گاندھی کے یہ الفاظ میرے دل میں گھر کر گئے۔ سو میں نے ہندی اور سنسکرت پڑھی۔ گیتا کو سنسکرت میں پڑھا اور زبانی یاد کیا۔ اس کے بعد یوگ شاستر، سانکھ شاستر، ویدانت شاستر اور تمام اپنشد پڑھے۔

پہلے مجھے سنسکرت کی کتابوں سے نفرت تھی، لیکن گیتا نے آنکھیں کھول دیں۔ گیتا انمول ہیروں کا ایک خزانہ تھی، جو میری آنکھوں میں چھپا پڑا تھا۔

لیکن اب جب سے گیتا کا سرور آنے لگا ہے، باقی سب کتابیں ہاتھ سے چھوٹ گئی ہیں۔ اب نہ تو ٹیکسیمر پند آتا ہے، نہ فارسی کا حافظ اور نہ ہی غالب۔ حافظ اور غالب پہلے مجھے حفظ تھے، لیکن گیتا سے آشنائی کے بعد ان کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

گیتا کو جوں جوں پڑھتے جائیں، اس کی شان بڑھتی جاتی ہے۔ ہر بار پڑھنے پر نئی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی کشش بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے ملنے والی شائقی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔

میرے دل میں خیال آیا کہ ہمارے پاس گیتا جیسی بیش بہا کتاب موجود ہے اور ہم اس سے بہرہ ور نہیں، اس لئے گیتا کی تعلیم پر خیالات آسان عبارت میں لکھ کر لوگوں میں گیتا کا پرچار کرنا چاہئے تاکہ عام لوگ بھی فائدہ اٹھا سکیں۔

میں نے اس ”گیتا امرت“ میں گیتا کے ہر ایک باب سے چند ایک نمائندہ اشلوک چن کر ان کی وضاحت آسان زبان میں کر دی ہے۔ اور کوشش کی کہ مضمون بے لطف نہ ہونے پائے۔ گیتا پر بڑے بڑے اہل علم نے عمدہ سے عمدہ کتابیں لکھی ہیں جن پر عقل عیش عیش کراٹھتی ہے۔ میں تو ان بزرگوں کی خاک پا بھی نہیں۔

خدمت گار

روشن لعل

دوبائیں

”گیتا“ دراصل ”مہابھارت“ کی قدیم داستان کا ہی ایک حصہ ہے۔ لیکن یہ آہستہ آہستہ ہندو دھرم کی سب سے اہم اور بنیادی کتاب بن گئی۔ اس میں بھگوان کرشن اپنے بھگت ارجن کو یدھ کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے وہ تمام سماجی و روحانی اصول و قواعد زیر بحث لاتے ہیں جو ہندو دھرم کی بنیاد بن گئے۔ گیتا محض ایک کتاب ہی نہیں بلکہ برصغیر کی روحانی تاریخ کا واضح ترین باب بھی ہے۔ اس کتاب کی فہرست ابواب اور مشمولات پر ایک نظر ڈال لینے سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ اس میں اس خطہ کی سوچ کا کون سا پہلو سمایا ہوا ہے۔

روشن لعل نے نمائندہ اشعار اور ان کی تشریح کے ذریعہ گیتا کا جوہر اس مختصر سی کتاب کی صورت میں مجسم کر دیا۔ اس آسان فہم تشریح سے ہمیں گیتا کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ یہ موازنہ کرنے کا موقع بھی ملتا ہے کہ کون سی روایات نے مل کر گیتا کو بنایا اور اس سے کون سی روایات نکلیں۔ ہندو اسے بھگوان کا کلام کہتے ہیں۔

گیتا کے مختلف نام ہیں، جن میں گیتا امرت، بھگوت گیتا سب سے زیادہ مشہور ہوئے۔ روشن لعل نے یہ کتاب لکھنے سے قبل گیتا پر کاش، گیتا مکھیہ اپریش، گیتا رتن، گیتا گیان، گیتا پھول مالا، اور گیتا شپ مالا لکھی تھیں، جن میں گیتا کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی۔ لیکن ”گیتا امرت“ ہی ان تمام پہلوؤں کا مرقع ہے۔ مصنف نے اقبال، حافظ، مولانا رومی، معجز دہلوی اور کچھ دیگر شاعروں کے حوالے دے کر گیتا کو بہت وسیع القلب بنا دیا ہے، جس کا اندازہ پڑھنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

یہ کتاب تقسیم ہند سے قبل چھپی تھی لیکن سن اشاعت درج نہیں۔ میرے دادا گلاب شاہ کو ان کے ایک سکھ دوست نے تحفہ میں گیتا پیش کی تھی، جو مجھ تک پہنچی۔ اسے اگر جوں کا توں شائع کر دیا جاتا تو بہت سی اصطلاحات اور الفاظ ہندی اور سنسکرت ہونے کی وجہ سے سمجھ نہ آتے۔ اسے قابل فہم بنانے کے لئے زبان کو آسان بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لہذا انداز بیان میں کہیں کہیں ترمیم کرنے کے ساتھ ساتھ ان تمام ہندی اصطلاحات کا اردو ترجمہ لکھا گیا ہے جو قاری کے لئے مشکل کا باعث بن سکتی تھیں۔ خواجہ دل محمد نے ”دل کی گیتا“ کے نام سے گیتا کا منظوم ترجمہ کیا تھا۔ نظر ثانی میں اسے بھی سامنے رکھا گیا۔ اہم اصطلاحات کا ترجمہ لکھنے کے علاوہ انہیں اصل حالت میں بھی بریکٹ کے اندر لکھا گیا ہے۔ تاہم ”دھرم“ ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا ترجمہ ممکن نہیں۔ عام طور پر تو اس کا مفہوم بطور ”مذہب“ لیا جاتا ہے، لیکن درحقیقت اس کا مطلب ہے ”راست باز رویہ“ (Righteous course of conduct) ہے۔ کچھ اہم اصطلاحات کی وضاحت روشن لعل نے خود ہی کر دی تھی۔ بحیثیت مجموعی ساری کتاب میں تمام خیالات اور بنیادی مفہیم کو سمجھنے میں عام قاری کو بمشکل ہی کوئی وقت پیش آسکتی ہے۔ بہر حال، ہر موضوع علم کی اپنی اپنی ضرورتیں ہوتی ہیں، جنہیں پورا کرنے کی کوشش کرنا ذہین قاری کے اپنے ہی فائدہ کی بات ہوگی۔

یا سر جواد
مئی ۱۹۶۶ء۔ لاہور

ارجن کا دکھ

دریودھن نے دھوکے سے اپنے چچیرے بھائی۔ پانڈوؤں کا راج چھین لیا تھا۔ پانڈوؤں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح جنگ و خونریزی کے بغیر ہی انہیں اپنا راج دوبارہ حاصل ہو جائے، مگر ان کی تمام کوششیں اکارت گئیں۔ جب کوئی چارہ نہ رہا تو لاچار پانڈوؤں نے اپنی طرف سے شری کرشن جی کو دریودھن کے پاس بھیجا، تاکہ وہ اسے راج واپس کر دینے پر آمادہ کریں۔ شری کرشن جی نے دریودھن کو بہت سمجھایا کہ دھرم اور عدل بہ پیش بہا چیزیں ہیں، ان کا دامن کبھی نہیں چھوڑنا چاہئے۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ پانڈوؤں کو ان کا راج لوٹا دو۔

راجہ دریودھن کو اپنی طاقت کا گھمنڈ تھا، اسے اپنی فوج پر ناز تھا۔ لہذا وہ اپنی شکتی (قوت) کے نشہ میں بدمست ہو گیا۔ دھرم اور عدل و انصاف کی باتیں بھلا وہ کہاں سننے والا تھا۔ اس نے شری کرشن جی کو صاف صاف کہہ سنایا: ”جنگ کئے بغیر میں پانڈوؤں کو سوئی کی نوک برابر زمین بھی واپس کرنے کا روادار نہیں اور راج تو بہت دور کی بات ہے۔ اگر پانڈوؤں میں ہمت ہے تو میدان جنگ میں اتریں۔ کبھی مانگنے سے بھی راج ملا کرتے ہیں؟“ انجام کار جب پانڈوؤں کے لئے تمام راہیں مسدود ہو گئیں، اس مقولہ کے مطابق کہ ”جنگ آمد جنگ آمد“ انہوں نے دریودھن سے جنگ کرنے کی ٹھان لی۔ دونوں کی فوجیں آمنے سامنے صف آرا ہو گئیں۔

چنانچہ منظر یہ ہے کہ پانڈوؤں اور کوروؤں کی فوجیں مرنے مارنے کو تیار کھڑی ہیں۔ پانڈوؤں میں ارجن سب سے بڑا سورما اور بہادر جنگجو ہے، بلکہ مہا بھارت کی جنگ کا ہیرو۔ وہ بھگوان کرشن کا سچا بھگت (معتقد) ہے۔ بھگوان کرشن خود ہی اپنے بھگت کی رتھ بانی کر رہے ہیں۔ ارجن دونوں فوجوں کے درمیان کھڑا ہو کر مقابل کے لشکروں پر نگاہ ڈالتا ہے تو اپنے قریبی رشتہ داروں کو مرنے مارنے پر آمادہ دیکھ کر ارجن کا دل موہ (مجت) سے بھر جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے: ”اوہو! جنگ سے تو بڑی تباہی ہوگی۔ لاکھوں جانیں تلف ہو جائیں گی۔ ہزاروں عورتوں کا سہاگ لٹ جائے گا، لاکھوں بچے یتیم اور لاوارث ہو جائیں گے۔ پورے

کے پورے خاندان مٹ جائیں گے۔ یہ ہم کیا کر رہے ہیں۔“ ان خیالات سے اس پر گہرا ہٹ طاری ہو جاتی ہے، جسم کپکپا اٹھتا ہے، آنکھوں سے نیر (آنسو) بہہ نکلتے ہیں، ہاتھ تھر تھرانے لگتے ہیں اور دھنش (کمان) ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑتا ہے۔ ارجن جنگ کرنے سے صاف انکار کر دیتا ہے اور کرشن جی سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

”بھگوان! میں فتح کا متمنی نہیں۔ اور نہ ہی مجھے راج اور آسائش چاہئے۔ راج، دھن دولت یا زندگی سے ہمیں کیا فائدہ، جب ہمارے رشتہ دار یا عزیز ہی نہ رہیں؟“

پھر کہا:

”اے بھگوان! چاہے میرے یہ رشتہ دار مجھے مار ڈالیں لیکن میں ان پر ہرگز وار نہ کروں گا۔ چاہے انہیں مارنے سے مجھے تین دنیاؤں کا راج ہی کیوں نہ ملتا ہو، پھر بھی میں ان پر ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ تھوڑی سی زمین کا تو ذکر ہی کیا ہے؟“

یہ کہہ کر ارجن دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور تیر و کمان پھینک کر رتھ کے کونے میں بیٹھ گیا۔ پنڈت دینا ناتھ مدن معجز دہلوی نے گیتا کا منظوم ترجمہ کیا ہے، جس کا نام ”مخزن اسرار“ ہے۔ انہوں نے یہ بات کیا خوب انداز میں بیان کی۔

انہوں نے اس باب کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

مجھ کو تو خواہش نہیں سامان فتح و عیش کی
 ہیچ ہیں مری نظر میں مال و جاہ و زندگی
 باپ دادا، بیٹے پوتے، اقرباء ماموں گرو
 سالے اور سرے ہیں دونوں لشکروں میں جنگجو
 مارنا ان کا نہیں منظور، مرنا ہے قبول
 مجھ کو دنیا اور عتھے کا نہیں شوق حصول
 بھائیوں کا قتل کرنا ہے سراسر ناروا
 جب نہ ہوں اپنے یگانے، زندگی کا لطف کیا
 حیف میں دجہ لگاؤں اپنے ننگ و نام پر
 اپنی بہبودی کی سوچوں بھائیوں کو مار کر
 گر کوئی شہ زور کورو، میرے جسم اور روح کو
 تیغ سے اس دم جدا کر دے، بہت ہی خوب ہو
 کہہ کے یہ الفاظ ارجن رتھ میں داخل ہو گیا

ڈال کر تیروکماں، افسوس میں ڈوبا ہوا
یہ ہے گیتا کا پہلا باب جسے ارجن و شاد یوگ کہتے ہیں، کیونکہ اس وقت ارجن محبت
کے جذبات سے مغلوب ہو کر بہت رنجور ہو رہا ہے۔ اس باب میں ارجن کے مضطرب دل
کی حالت کی تصویر پیش کی گئی ہے۔

آریہ دھرم

دوسرے باب میں یوں آتا ہے کہ :

جو ارجن کا دیکھا یہ رنج و ملال
غم و سوز دل میں طبیعت نڈھال
نظر دکھ سے بے چین آنکھوں میں نم
تو بھگوان بولے ازراہ کرم

”اے ارجن! اس نازک موقع پر تمہارے دل میں رشتہ دار عزیزوں کی محبت کیوں اٹھ آئی ہے۔ یہ تو آریہ اصولوں کے خلاف ہے۔ یعنی آریہ لوگ کبھی لڑنے سے منہ نہیں موڑتے۔ وہ مٹ جاتے ہیں، لیکن جنگ میں ہرگز پیٹھ نہیں دکھاتے، بلکہ دشمنوں کے ساتھ خم ٹھوک کر لڑتے ہیں۔ اور وہ مقابلہ کرتے ہوئے جان پر کھیل جاتے ہیں۔ میدان جنگ سے بھاگ جانے سے تو نرک (جہنم) ملتا ہے اور بڑی رسوائی ہوتی ہے۔“

سنسکرت الفاظ میں یہ بات یوں لکھی گئی ہے :

کلیسیم۔ ماسم۔ گما۔ پارٹھ۔ نہ اتیت۔ توہنی۔ اپ۔ پدیتے۔

کھیو درم۔ ہردے۔ دور۔ بلیم۔ تیکتا۔ ا۔ شتی۔ پرن۔ تپ

ترجمہ : اے ارجن! نامرد مت بن، تو کشتیری ہے، جنگ کرنا تیرا عین دھرم ہے، جنگ سے منہ موڑنا تیرے شایان شان نہیں۔ دل کی کمزوری کو دور کر اور جنگ کے لئے کھڑا ہو جا۔

خواجہ دل محمد کے الفاظ میں :

”یہ کم ہمتی چھوڑ، کر جی کڑا

عدو سوز ارجن کھڑا ہو کھڑا“

، مجز صاحب دہلوی کے الفاظ میں :

”نامناسب ہے منٹ کا عمل، اے نیک نام

کابلی اور بزدلی اب چھوڑ، لے ہمت سے کام“

یہ سن کر ارجن نے روتے روتے عرض کی:

”اے بھگوان! معزز ہیں دادا ہمیشہ اور دروں ہیں گرو۔ بہاؤں میں تیروں سے ان کا
 لہو؟ وہ تو قابل پرستش ہیں۔ یہ بھلا کیسے ممکن ہے کہ میں انہیں مار ڈالوں۔“
 ”قابل تعظیم لوگوں کو مار کر میں گدائی میں جینا زیادہ بھلا سمجھتا ہوں۔ ان بزرگوں کے
 خون سے لتھڑا ہوا راج مجھے نہیں چاہئے۔“

یہ الفاظ خواجہ دل محمد:

”میں ان خیر خواہوں کا خون گر کروں

تو عشرت کے لقمے لہو سے بھروں“

یہ کہہ کر ارجن نے کمان زمین پر پھینک دیا اور لڑنے سے صاف انکار کر کے رتھ کے
 کونے میں بیٹھ گیا۔

جہاں کا ملے بے خلل مجھ کو راج

مجھے دیوتا بھی صبح دیں آکے باج

میں اس حال میں بھی رہوں گا اداس

اسی درد سے گم ہیں میرے حواس۔ (دل)

آتما امر ہے!

ارجن کی یہ گھبراہٹ دیکھ کر بھگوان کرشن اسے سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں: اے ارجن،
 تیرا افسوس اور رنج فضول ہے۔ تم غلطی پر ہو۔ تمہارا دل فریب خوردہ ہے۔ تم جسم کو آتما
 (روح) سمجھ رہے ہو۔ روح کبھی فنا نہیں ہوتی، فنا تو فقط جسم کو ہے اور جسم ہمیشہ بدلتا رہتا
 ہے۔“

منسکرت زبان میں:

انت۔ دنت۔ اھے۔ دیہا۔ نیہ۔ اوکتا۔ شریر نزا۔

اناشی۔ نو۔ اپرھے۔ نیہ۔ تسما۔ یہ۔ سمیہ۔ بھارت۔

ترجمہ: اے ارجن جسم مٹ جانے والا ہے، روح کبھی نہیں مٹی، یہ لافانی اور دائمی ہے اس لئے اے ارجن تو یہ بات سمجھ کر اٹھ اور یدھ کر۔
خواجہ دل محمد کے الفاظ میں:

وہ قائم ہے، دائم ہے اور بے حدود
ہے فانی بدن، آتما لازوال
پر ارجن ہے کیوں جنگ میں قیل و قال
معجز صاحب نے بھگوان کرشن کے اس اپدیش کو یوں منظوم کیا:
فکرِ باطل پر تجھے یہ گفتگو زیبا نہیں
عاقلوں کو زندگی اور موت کی پروا نہیں
گو فنا ہے جسم کو لیکن بقا ہے جان کو
یہ اضافی شے نہیں تو جنگ سے بے خوف ہو

صاحبان! بھگوان شری کرشن چندر جی نے جو آتما کو دائمی اور غیر فانی کہا ہے، یہ ایک ایسی مسلمہ صداقت ہے جو کسی تصدیق و تائید کی محتاج نہیں۔ دنیا کی بڑی بڑی ہستیاں اس بات پر یقین رکھتی ہیں۔ بلکہ چشم پینا یعنی ”گیان کی آنکھ“ رکھنے والوں نے آتما کو بخوبی دیکھا ہے اور اس کے مرہونے کی صداقت کو جانچا اور تسلیم کیا ہے۔

جسم ایک ڈبیا ہے اور روح اس کے اندر ایک ہیرا۔ جسم بلب ہے تو روح اسکے اندر بجلی کا کرنٹ۔ جس طرح ڈبیا کے ٹوٹ جانے سے ہیرے کا کچھ نہیں بگڑتا یا بلب کے ٹوٹ جانے پر برقی رو کو کچھ نقصان نہیں ہوتا ویسے ہی جسم کے فنا ہونے سے روح کو ذرہ برابر صدمہ نہیں ہوتا۔

انگریزی زبان کا مشہور شاعر لانگ فیلو کہتا ہے:

"Dust thou art to dust returnest

was not spoke of the soul."

(یعنی روح فنا سے بالاتر ہے۔ فنا پذیر صرف جسم ہے۔ جسم ہی مٹی سے بنتا ہے اور آخر میں مٹی ہو جاتا ہے۔)
سر علامہ محمد اقبال کہتے ہیں۔

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں

ٹوٹا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
مطلب یہ کہ زندگی کی آگ کبھی نہیں بجھتی، یہ ہمیشہ سے منور ہے اور ہمیشہ منور رہے
گی۔ زندگی ایک ایسا موتی ہے، جو کبھی بھی نہیں ٹوٹتا۔ یہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک
رہے گا۔

مشہور فارسی شاعر فیضی کا شعر ہے۔

تغیر بہ جسم است و جاں فارغ است

حوادث بریں است و آں فارغ است

مطلب یہ کہ تبدیلی جسم کے لئے ہے، روح کے لئے نہیں۔ روح تغیر و تبدل سے
مطلق آزاد ہے۔ یہ ہمیشہ ایک سی حالت میں رہتی ہے۔ حادثے جسم پر ہوتے ہیں، روح پر
نہیں۔

یہ الفاظ دیگر جسم پیدا ہوتا ہے اور بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی منازل طے کر کے مرجاتا
ہے اور پھر پیدا ہوتا ہے، لیکن آتما نہ پیدا مرتی ہے، نہ رتی ہے نہ اس کے لئے بچپن ہے
نہ بڑھاپا اور نہ ہی موت۔ ازل سے اس کا ایک ہی رنگ ڈھنگ ہے۔

نہیں آتما کو تغیر و زوال

حواس اس کو پائیں نہ پنچے خیال

(دل)

شری کرشن جی پھر کہتے ہیں: نہ۔ ہنسیتے۔ ہنیہ۔ منے۔ شریرے۔

ترجمہ: جسم کے فنا ہونے پر روح فنا نہیں ہوتی۔ روح پیدا ہوتی ہے نہ مرتی۔ یہ ہمیشہ
سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

اس اشلوک کا ترجمہ معجز صاحب نے یوں کیا ہے۔

روح کبھی پیدا نہیں ہوتی، فنا ہوتی نہیں

جسم میں آتی نہیں، آکر جدا ہوتی نہیں

یہ ہمیشہ سے پاک و برتر ہے زوال و نقص

سے

اس کو موت آتی نہیں مٹنے سے خاکی جسم کے

پیارے دوستو! ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دنیا ظاہر میں ایک ماتم کدہ دکھائی دیتی ہے، موت کا
چکر پیہم رواں ہے۔ ہر روز ہزاروں جاندار لقمہ اجل بنتے ہیں۔ چرند، پرند، حیوان، انسان،

امیر غریب، فقیر تو نگر، بچہ جوان پیر، کسی کو بھی اس سے مفر نہیں۔ دشت ہو یا گلشن، ویرانہ ہو یا شہر، یہ ہر جگہ ہمہ وقت موجود ہے۔ الغرض موت بھی ہوا اور پانی کے مانند ایک عام چیز ہے۔ اور جب ہم اس کی عالمگیر تباہ کاریوں کو دیکھتے ہیں تو ہم پر سخت گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے۔ ہمیں از حد افسوس ہوتا ہے کہ آہ! زندگی کا انجام کتنا حسرت ناک اور پرورد ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم فریب کا شکار ہیں۔ موت کا اثر صرف جسم پر ہوتا ہے۔ روح موت سے ماورا ہے۔ زندگی تو ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جب ہم تھک جاتے ہیں، تو قدرت کچھ دیر کے لئے موت کی صورت میں ہمیں آرام بہم پہنچاتی ہے۔

میر تقی میر کا شعر ہے۔

موت اک زندگی میں وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر
سراقبال کے بی دو شعر اس تصور کے غماز ہیں۔

ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

اور

موت کو سمجھا ہے غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی، صبح دوام زندگی

مطلب یہ کہ موت اس قدر سستی ہے، اس قدر وسیع ہے تو اس سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ موت سے زندگی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ موت سے زندگی کا تانا نہیں ٹوٹتا جیسے سونے سے زندگی میں کچھ خلل نہیں پڑتا۔ اور موت زندگی کا اختتام نہیں شام ہے اور ہیٹنگ کی صبح۔

انگریزی کا مشہور شاعر ٹینیسن کہتا ہے:

None is born,
None will die,
All must change.

مطلب یہ کہ کوئی نہ پیدا ہوتا ہے نہ مرتا ہے۔ سب تبدیل ہو رہے ہیں۔ جو کچھ بھی دنیا میں نظر آ رہا ہے، وہ تغیر و تبدل کا ایک سینما ہے اور اس کی تمہ میں روح جنم، مرن،

تغیر، تبدل سے بالاتر ہے۔

جو ہے سب کے تن میں مکیں آتما

یہ وائم ہے فانی نہیں آتما۔

(دل)

اپنے اپدیش کو جاری رکھتے ہوئے شری کرشن جی مزید کہتے ہیں

واسامنی۔ جیرتانی۔ تتھا۔ وہائے۔ نوانی۔ گرہنڑاتی۔ نرو۔ اپرانی۔

تتھا۔ شریر انڑی۔ وہائے۔ جیرتانی۔ انیانی۔ نیاتی۔ نوانی۔ ویسی۔

ترجمہ: اے ارجن! انسان جیسے پرانے کپڑے اتار کر نئے پہن لیتا ہے، ویسے ہی روح

بھی پرانا جسم چھوڑ کر نیا جسم اختیار کر لیتی ہے۔

بہ الفاظ معجز صاحب۔

آدمی جیسے پرانے کپڑے دیتا ہے اتار

اور پہنتا ہے نیا پاکیزہ جامہ بار بار

جان بھی اپنے پرانے قابلوں کو چھوڑ کر

ڈالتی ہے روشنی دیگر نئے اجسام پر

ایک پنجابی شاعر نے اسی خیال کو یوں بیان کیا ہے۔

جیویں بدل لیندے اسی ہور کپڑے

تویں بدلے آتما تن سونہڑا

کٹھ اپنشد میں بھی آیا ہے کہ آدمی دھان کی طرح پکتا ہے اور دھان کی مانند پھر پیدا ہوتا

ہے۔ جس طرح کھیت میں دھان پیدا ہوتا ہے، بڑھتا ہے، پکتا ہے، پھر پیدا ہوتا ہے۔ اسی

طرح انسان کا جسم پیدا ہوتا، بڑھتا اور پھر پک جانے پر مرتا ہے۔ پھر روح، نیا جسم دھار لیتی

ہے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے۔

گورو ارجن دیو جی سکھ منی صاحب میں فرماتے ہیں۔

آون جاون اک کھیل رچایا

آگیا کاری کینی مایا

یعنی پرماٹما نے آتما کے لئے جسم دھارنا اور جسم چھوڑنا ایک کھیل بنا رکھا ہے۔

دوسرے الفاظ میں ایک جسم چھوڑ کر دوسرے میں جانا روح کے لئے ایک کھیل ہے۔

جسم پراکرتی (عناصر اربعہ) سے بنا ہے اور پراکرتی پرماٹما کے حکم سے ظہور پذیر اور

معدوم ہو رہی ہے۔ پراکرتی کے ظہور کا نام زندگی اور معدوم ہونے کا نام موت ہے۔
بھگت کبیر جی کا شعر ہے۔

جس مرنے سے جگ ڈرے، میرے من آند

کب مرے ہوں، کب پائے ہوں، پورن پر م آند

یعنی جس موت سے ساری دنیا گھبراتی ہے میں اسے عین سکھ اور راحت سمجھتا ہوں۔
میں ہر وقت اس بات کے لئے بے تاب ہوں کہ کب موت آتی ہے اور مجھے پر بھو درشن
(ویدار الہی) نصیب ہوتے ہیں۔ میں تو موت کی راہ تک رہا ہوں۔ اس کے لئے ترس رہا
ہوں کہ کب آئے اور مجھے پر بھو کی گود نصیب ہو۔ جس میں انتہائی آند (طمانیت) حاصل
ہوتا ہے۔ سراقبال کا شعر ہے۔

خوگر پرواز کو پرواز میں کچھ ڈر نہیں

موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں

مطلب یہ ہے کہ جس طرح اڑان کے عادی پرندے کو اڑنے میں کوئی ڈر نہیں محسوس
ہوتا، اسی طرح موت بھی اس باغ عالم میں روح کے لئے سوائے پر افشانی کے اور کچھ بھی
نہیں۔ یعنی روح کے لئے موت اسی قدر آسان ہے جس قدر کہ پرندے کے لئے اپنے پر
پھیلا کر اڑنا۔

صاحبان! یہ جسم ایک پنجرہ ہے، جس کے اندر روح کا پرندہ مقید ہے۔ یا یوں کہئے کہ
جسم قید خانہ ہے، جس میں روح قیدی ہے۔ جسم سرائے ہے اور روح کی حیثیت اس مسافر
کی سی، جو اس میں کچھ دیر کے لئے ٹھہرا ہوا ہے۔ مگر یہ ہماری کیسی بھول ہے کہ ہم نے
پنجرے کو چمن سمجھ رکھا ہے۔ قید خانہ کو گھر اور سرائے کو اپنا وطن سمجھے ہوئے ہیں اور اس
عارضی چیز پر دیوانہ وار لٹو ہو رہے ہیں۔

چنانچہ سراقبال کہتے ہیں۔

قیدی ہوں اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں

غربت کے غم کدے کو وطن جانتا ہوں میں

مطلب یہ کہ میں جس چیز کو چمن سمجھ رہا ہوں وہ درحقیقت ایک پنجرہ ہے۔ جس کے
اندر میں بند ہوں، جسے میں وطن سمجھتا ہوں۔ اصل میں یہ مسافر خانہ ہے جو درد و الم کا گھر
ہے۔

فارسی کے مشہور شاعر عمر خیام فرماتے ہیں کہ جسم ایک خیمہ کی مانند ہے اور روح ایک

بادشاہ کی حیثیت سے اس کے اندر ٹھہری ہوئی ہے۔ جب شہنشاہ روح ایک منزل پر کچھ دیر قیام کے بعد دوسری منزل کی طرف رخ کرتی ہے تو موت پہلی جگہ سے جسم کا خیمہ اکھیڑ کر پھینک دیتی ہے اور دوسری جگہ جا کر نیا خیمہ لگا لیتی ہے۔ ان کی رباعی ہے۔

خیام تبت بہ خیمہ سے ماند است

سلطان روح است و منزلش وار فاست

فراش اجل زہر دیگر منزل

از پا گنبد خیمہ کہ سلطان برخاست

اردو کے ایک شاعر نے اسی رباعی کا منظوم اردو ترجمہ یوں کیا ہے۔

خیام یہ ڈھانچ جس سے خیمہ ہے بنا

سلطان ہے روح اس کی منزل ہے فنا

فراش اجل دوسری منزل کے لئے

خیمے کو اکھاڑے گا کہ سلطان بگیا

نامور مسلمان صوفی شاعر مولانا رومی بھی اسی موضوع پر فرماتے ہیں۔

از جمادی مردم نامی شدم

وز نما مردم بہ حیواں سرزوم

ترجمہ: میں پتھر سے مر کر درخت میں آیا اور درخت سے مر کر حیوان بنا۔

آگے کہتے ہیں۔

مردم از حیوانی و آدم شدم

پس چہ ترسم کہ زمردن کم شدم

ترجمہ: پھر حیوان سے مر کر انسان ہوا۔ پس کیوں ڈروں کہ مرنے سے گھٹ جاؤں گا

کیونکہ ہر بار مرنے سے میرا درجہ بڑھ رہا ہے، گھٹ نہیں رہا۔

آگے کہتے ہیں۔

حملہ دیگر عدم از بشر

تا بر آرم از ملائک بال و پر

ترجمہ: انسان کے جامہ میں آکر پھر مروں گا تاکہ انسان سے فرشتہ بنوں۔

آخر میں کہتے ہیں۔

بار دیگر از ملک قرباں شوم

آنچہ اندر وہم نہ آید۔ آل شوم

ترجمہ: فرشتہ بننے کے بعد جب مرجاؤں گا تو مر کر فرشتہ سے وہ ہو جاؤں گا جو وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ یعنی خدا میں سما جاؤں گا۔

ارجن کے دل پر روح کی لافانیت کا نقش بٹھانے کے لئے شری کرشن جی پھر کہتے ہیں:

نہ۔ اینم۔ چھندنتی۔ شترانی۔ نہ۔ اینم۔ دہتی۔

پاوکا۔ نہ۔ چہ۔ اینم۔ کلید۔ نتو۔ آپو۔ نہ۔ شو شیتی۔ ماروتاہ۔

ترجمہ: روح کو تلوار نہیں کاٹ سکتی، آگ نہیں جلا سکتی، پانی گیلا نہیں کر سکتا، ہوا اسے سکھا نہیں سکتی۔

بہ الفاظ خواجہ دل محمد صاحب۔

کٹے گی نہ تلوار سے آتما

جلے گی کہاں نار سے آتما

نہ گیلی ہو پانی لگانے سے یہ

نہ سوکھے ہوا میں سکھانے سے یہ

اسی خیال کو فیضی صاحب نے یوں ادا کیا ہے۔

نہ سوزد بہ آتش نہ آہش برد

نہ مستی نہ غفلت نہ خواہش برد

ترجمہ: روح کو آگ جلا نہیں سکتی اور پانی اسے بہا کر نہیں لے جا سکتا۔ یہ مستی سے

مدہوش اور بے خبر نہیں ہوتی اور اسے نہ ہی اونگھ آتی ہے۔ یہ ہمیشہ جاگتی ہے۔

کیونکہ روح بذات خود زندگی اور بذات خود بیداری ہے۔

معجز صاحب نے اسی خیال کو یوں پیش کیا۔

آگ میں جلتی نہیں، تلوار سے کٹتی نہیں

سیل سے گلتی نہیں، طوفان سے کھشتی نہیں

اس کا جلنا، کٹنا، خشک ہونا ہے محال

یہ ہے ساکن خود، خود قائم محیط و لازوال

کشتری دھرم

”ہیں ارجن وہی کشتری خوش نصیب
ملے معرکہ جن کو ایسا عجیب“

روح کی ابدیت کا وعظ کرنے کے بعد شری کرشن چندر جی ارجن کو اب کشتری دھرم پر درس دیتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ اے ارجن، تو کشتری ہے۔ دھرم کی خاطر یدھ کرنا تیرا عین دھرم ہے، تو اپنا فرض پہچان، تمہیں ایسے وقت میں پہچانا بالکل نہیں چاہئے، کیونکہ _____
دھرم۔ یادھی۔ یدھات۔ شرے یو۔ اہبت۔ کھتریہ۔ نہ دوئے۔

ترجمہ: کشتری کے لئے دھرم یدھ سے بڑھ کر اور کوئی چیز اطمینان بخش نہیں اس لئے یدھ میں ڈٹ جا۔ بھگوان اگلے اشلوک میں میں پھر کہتے ہیں:

یدر۔ اچھیا۔ چہ۔ اہنہم۔ سورگ۔ دوادم۔ اپادرتم۔
کھینا۔ کھتیا۔ پارتھ۔ بھستے۔ یدھم۔ اپدرشم۔

ترجمہ: اے ارجن! ایسی جنگ جس کی خواہش تو نہ کی جائے لیکن جو اپنے آپ پر بغیر خواہش مسلط ہو جائے اور جو یدھ دھرم کی حفاظت کے لئے کیا جائے، اے ارجن ایسا یدھ دھرم یدھ کہلاتا ہے۔ ایسے یدھ کرنے کا موقع نصیب ہو تو سمجھو کہ گویا سورگ کا دروازہ خود بخود کھل گیا ہے۔ ایسا یدھ تو خوش نصیب کشتریوں کو ہی ملتا ہے۔

اہں اشلوک کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو تنگ کرنے کے ارادے سے ہرگز جنگ نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے اور مظلوم کو ظلم سے بچانے کے لئے جنگ کرنا عین دھرم ہے۔ اس سے انسان سیدھا سورگ میں جاتا ہے۔

اگلے اشلوک میں کہتے ہیں ”اے ارجن! اگر تو آج کا دھرم یدھ نہ کرے گا تو دھرم اور عزت دونوں گنوا بیٹھے گا۔ ادھرمی (لانڈھب) ہو جائے گا۔ اور پاپ کا مستحق ہوگا۔“

صاحبان! ساری گیتا کا نچوڑ اسی ایک اشلوک میں ہی آجاتا ہے۔

ارجن کہتا ہے کہ جنگ کرنا گناہ کبیر ہے اور اس سے سخت جہنم ملے گا۔ چنانچہ وہ جنگ

رنے سے انکار کر دیتا ہے۔ اس کے جواب میں شری کرشن جی کہتے ہیں کہ نہیں ارجن! یہ تمہاری بھول ہے اگر تم آج کی جنگ نہ کرو گے تو لازماً مہاپاپی ہو جاؤ گے اور نرک (جہنم) میں جاؤ گے۔

بس اسی بات میں گیتا کا جوہر ہے۔ جس جنگ کو ارجن مہاپاپ سمجھ رہا ہے، اسی جنگ کو بھگوان عین ثواب اور عظیم نیکی بتلاتے ہیں۔ اگر یہی بات قارئین کی سمجھ میں آجائے تو سمجھو کہ گیتا کا اصلی راز انکی سمجھ میں آگیا۔ اس لئے قارئین سے التماس (پرارتھنا) ہے کہ پہلے تو دھرم یدھ کا مفہوم سمجھیں کہ یدھ کب دھرم یدھ ہوتا ہے۔ اس کا مختصر جواب یہی ہے کہ جب انسان کے پلے دھرم اور صداقت ہو، اور دھرم اور صداقت کی حفاظت کے لئے جنگ کی جائے تو وہ دھرم یدھ کہلاتی ہے۔ کیونکہ ارجن دھرم پر تھا اور درپودھن ادھرم پر۔ اس لئے ارجن کے لئے یہ یدھ دھرم یدھ تھا۔ دھرم یدھ کرنا کار عظیم ہے۔ اور دھرم یدھ سے پہلو تھی کرنے والا سیدھا جہنم میں جاتا ہے۔

یدھ کے لئے جو پہلی بات ضروری ہے وہ یہ کہ آپ دھرم پر ہوں۔ پہلو راستی کا ہو، ادھرم اور پاپ کی حمایت نہ کی جا رہی ہو۔

یدھ میں فتح کے لئے دوسری ضروری بات طاقت ہے۔ جب تک آدمی یا اس کی جماعت میں طاقت نہ ہوگی، وہ فتح یاب نہیں ہو سکے گا۔ لہذا دھرم پر ہونے کے ساتھ ساتھ طاقت کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ دشمن کو مار کر شکست فاش سے دوچار کیا جاسکے۔

بھگوان کرشن کا وعظ سننے سے پہلے ارجن کئی سال تک گرو دروں آچاریہ (عظیم معلم) کی شاگردی کر چکا ہے، بلا کا تیر انداز ہے، اس کی شکتی اور طاقت کا کوئی ٹھکانہ نہیں بلکہ جنگ لڑنے کے لئے اگر پانڈوؤں میں حوصلہ ہے تو وہ ارجن کے زور بازو کی وجہ سے، اس کی طاقت اور شجاعت کی وجہ سے۔ بازو میں زور نہ ہو تو دھرم یدھ بھلا کیا ہو سکے گا؟ اس لئے دو باتیں ضروری قرار پائیں۔ ایک یہ کہ انسان اپنے اندر طاقت پیدا کرے، اور دوسرے دھرم کی حفاظت کے لئے جنگ کرے۔ ان دو باتوں کے پورا ہو جانے سے اس کی جیت ہی جیت ہے۔ دھرم اور طاقت رکھنے والا کبھی زیر نہیں ہو سکتا۔

اگلے اشلوکوں میں بھگوان کہتے ہیں کہ، ”اے ارجن! اگر تو آج کا یدھ نہ کرے گا تو تیری بڑی رسوائی اور بے عزتی ہوگی۔ تو بزدلی اور بے ہمتی کی مثال بن جائے گا۔ سالہا سال تک لوگ تمہاری بدنامی اور مذمت کریں گے۔ عزت دار آدمی کے لئے تو بے عزتی کی زندگی سے مر جانا بہتر ہے۔ بہادر لوگ کہیں گے کہ ارجن ڈر کے مارے جنگ سے بھاگ

گیا تھا۔ جن کے دل میں تمہارے لئے عزت ہے، تم ان کی نگاہوں میں بھی گر جاؤ گے۔ دشمن تمہارا تمسخر اڑائیں گے اور پھبتیاں کسیں گے۔ وہ تمہاری طاقت کا ٹھنڈہ اڑائیں گے اور کہیں گے کہ ارجن میدان میں آتا تو دیکھتے۔ زرا سوچو! اس سے زیادہ باعث دکھ بات بھلا اور کیا ہو سکتی ہے۔ آگے چل کر کہتے ہیں۔

ہتو۔ وا۔ پرا تسیسی۔ سورگم۔ جتوا۔ وا۔ بھو کھی۔ میم۔

تسمات۔ اشٹی۔ کونتیہ۔ یدھائے۔ کرت۔ شپیماہ۔

ترجمہ: اے ارجن! اگر تو اس یدھ میں مارا گیا تو سورگ پائے گا۔ اگر جیت گیا تو زمین (پر تھوی) پر راج کرے گا۔ اس لئے تو لڑنے کا ارادہ پختہ کر کے کھڑا ہو جا۔ دونوں ہی صورتوں میں تیری بہتری ہے۔

اس اشلوک کا ترجمہ فیضی صاحب نے یوں کیا ہے۔

اگر کشتہ گر دی بہ خلد است جا

دگر فتح یابی شوی بادشاہ

مطلب یہ کہ اگر تو جنگ میں مارا گیا تو بہشتی ہوگا اور اگر جیت گیا تو دنیا کی بادشاہی ملے گی۔ خواجہ دل محمد صاحب نے گیتا کے منظوم ترجمے میں اس اشلوک کا منظوم یوں بیان کیا ہے۔

مرے گا تو پائے گا جنت میں گھر

اگر جیت جائے تو دنیا ہو سر

اٹھ ارجن! کھڑا ہو دکھا زور جنگ

کہ مردوں کو میدان سے ہٹانا ہے ننگ

اس وعظ کا آخری اشلوک ہے۔

سکھ۔ دکھے۔ سے۔ کرتوا۔ لایھ۔ الایھ۔ جے۔ اے۔

تنو۔ یدھائے۔ یجسو۔ نہ۔ ایوم۔ پاپم۔ اوپ سیمی

ترجمہ: اے ارجن سکھ دکھ، نفع نقصان، ہار جیت کو برابر سمجھ کر تو جنگ میں جٹ جا۔

اس طرح جنگ کرنے سے تجھے کبھی پاپ نہیں ہوگا۔ اپنے دل کو مضبوط کر کے جنگ کرنے

والا آدمی سرخرو ہی سرخرو ہے۔ اسے کبھی پاپ نہیں ہوتا۔

دھرم یدھ کرنے والے کے لئے دکھ سکھ، نفع نقصان، ہار جیت مساوی ہیں۔ وہ جیت

سے پھولتا نہیں اور ہار سے مایوس نہیں ہوتا۔ اس کو تو دھرم ہی پیارا ہے اور اسے دھرم کی

حفاظت کے لئے جنگ کرنے سے سکون ملتا ہے۔ اسے ہارجیت سے کوئی سروکار نہیں۔
 دھرم کی حفاظت میں لڑتے ہوئے موت آنا اس کے لئے حیات جاوداں جیسی ہے۔
 اسی خیال کی تائید مہاتما گاندھی کا یہ فرمان ہے کہ ساری گیتا کا نچوڑ، ساری گیتا کا
 مقصد، اس ایک ہی اشلوک میں ہے۔

اس اشلوکوں کا ترجمہ معجز صاحب نے یوں کیا۔

فرض کے پورا نہ کرنے کا برا انجام ہے
 راستی پر جان نثاری کبشتری کا کام ہے
 کھل گیا ہے راستہ جنت کا تیرے واسطے
 سرکٹاتے ہیں سپاہی خوبی تقدیر سے
 جو تو راہ حق پر چلنے سے کرے گا اجتناب
 تیری گردن پر رہے گا دین و دنیا کا عذاب
 بے محابا تیری بدگوئی کریں گے آدمی
 موت سے بدتر ہے ذلت صاحب توقیر کی
 ڈر کے بھاگا جنگ سے، کہیں گے سورما
 جن پہ تیرا رعب ہے، ان سے ہی تو شرمائے گا
 سلطنت ہاتھ آئے گی یا زندگی فردوس کی
 اس لئے اے ارجن دکھا میدان میں مردانگی
 رنج و راحت، فائدہ نقصان، ہار اور جیت کو
 اپنے دل سے دور کر اور جنگ میں مصروف ہو

بے لوث ہو کر عمل کر

روح کی لافانیت اور کشتیری دھرم پر وعظ کر چکنے کے بعد کرشن جی تیسرا وعظ جاری کرتے ہیں۔ یہ وعظ ہے نش کام کرم یعنی ثمرۃ اعمال کی امید چھوڑ کر عمل کرنا۔ بھگوان کہتے ہیں۔ ”اے ارجن! اپنے دھرم کو، یعنی اپنے فرض کو نش کام بھاو یعنی پھل کی خواہش کو چھوڑ کر پورا کر۔ فقط اپنا فرض سمجھ کر۔ اپنی ڈیوٹی کو ڈیوٹی جان کر تو اپنے دھرم پر عمل کر۔ عمل کے پھل کی خواہش دل میں ہرگز مت رکھ۔ صلے کی خواہش چھوڑ کر تندہی سے کیا جانے والا کام نش کام کرم کہلاتا ہے۔“

چنانچہ فرماتے ہیں:

کر میشری۔ ابو۔ ادھیکارس۔ تے۔ ما۔ بھلیستو۔ کدراچن۔

ما۔ کرم۔ پھل۔ ہتیو۔ بھوما۔ تے سنگو۔ استو۔ اکرمنزی۔

ترجمہ: اے ارجن! عمل (کرم) کرنا ہی تمہارا فرض ہے۔ اس کا پھل تیرے اختیار میں نہیں۔ اس لئے اعمال کے صلے کی امید نہ رکھ کر کام کرتا چلا جا۔ اور خبردار! کہیں عمل نہ چھوڑ دینا۔ یعنی کرم تو ضرور کر لیکن پھل کی خواہش چھوڑ کر۔

اس اشلوک کا ترجمہ خواجہ دل محمد نے کیا ہی خوب کیا ہے۔

تجھے کام کرنا ہے او مرد کار

نہیں اس کے پھل پر تجھے اختیار

کئے جا عمل اور نہ ڈھونڈ اس کا پھل

عمل کر عمل نہ ہو بے عمل

بھگوان اگلے اشلوک میں پھر فرماتے ہیں:

یوگستما۔ کرد۔ کرمانزی۔ سنگم۔ تیکتا۔ دھننجے۔

سدھی۔ اسدھی۔ یو۔ سمو۔ بھوتوا۔ سمتوم۔ یوگ۔ اچیتے

ترجمہ: اے ارجن! لگاؤٹ چھوڑ کر اور کرم یوگی بن کر عمل کر۔ ہار اور جیت کو برابر جان کر عمل کرتا جا۔ دل کی یکساں اور غیر متغیر کیفیت کا نام ہی یوگ ہے۔

بہ الفاظ خواجہ صاحب۔

رکھ ارجن تو دل یوگ میں استوار
تو کر بے لگاؤٹ عمل اختیار
نہ جیتنے کی شادی نہ ہارے کا سوگ
کہ دل کے توازن کا ہے نام یوگ

مطلب یہ کہ عمل ضرور کر۔ لیکن ذاتی غرض اور فائدے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے۔
تمہارے تمام اعمال کا مقصد واحد خدمت انسانیت ہو، نہ کہ ذاتی مفاد۔ تو صرف یہی سمجھ کر
عمل کر کہ سب کاموں کے کرنے والا خود پر ماتما ہے۔ میں تو فقط اس کا آلہ کار ہوں۔ یعنی
ایشور نظر سے اوجھل رہ کر میرے توسط سے دنیا کے کل کام انجام دے رہا ہے۔ ہار جیت
اور نفع یا نقصان سے میرا کوئی تعلق نہیں۔

زندگی کا مقصد خدمت انسانیت ہے نہ کہ خود پروری۔ خدمت کی نیت سے کیا ہوا
عمل بہت اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ لہذا انسان کو چاہئے کہ خود کو خدا کا خادم (سیوک) سمجھ کر
مخلوق کی خدمت بجالائے، جو کچھ بھی کرے، اپنے آپ کو سیوک سمجھ کر کرے۔
سراقبال کا شعر ہے۔

سروری در دین ما خدمت گرمی است

مطلب یہ کہ اگر تو بادشاہ ہے تو پھر بھی تیرا مقصد خدمت خلق ہونا چاہئے نہ کہ عیش و
عشرت اور تن پروری۔ پر ماتما نے جو فرض ہمارے اوپر ڈالا ہے اس کو فرض سمجھ کر ادا
کرتے چلو۔ دل میں غرور و تکبر کو دل میں جگہ نہ دو اور نہ ہی اعمال کے پھل کی خواہش پر
دھیان دھرو۔

جزا یا صلہ کے لالچ سے قطع نظر عمل کرنے والا انسان معمولی نہیں۔ وہ تو یوگی ہے،
عارف ہے، مہاتما ہے۔

ان اشلوکوں کا مدعا معجز صاحب نے یوں بیان کیا ہے۔

فعل سے دل بستگی واجب نہیں تیرے لئے
فرض کی تکمیل کر۔ خواہش صلہ کی چھوڑ دے
کامیابی اور ناکامی کو یکساں جان لے
عارفوں کی زندگی کثتی ہے اطمینان سے

قائم العقل انسان

”ہے اس قائم العقل کا کیا چلن
ہو کیا بودباش اس کی کیا سخن“۔

(دل)

اس کے بعد ارجن بھگوان کرشن سے سوال کرتے ہیں کہ ”اے بھگوان! یہ جو آپ نے ”سخت پرگیہ“ یعنی ٹھہری ہوئی بدھی (عقل قائم) کا ذکر کیا ہے، یہ ہے کیا چیز؟ میں اسے جاننا چاہتا ہوں۔ مہربانی کر کے قائم العقل انسان کے اوصاف بیان فرمائیں۔“

اس پر بھگوان ارجن جواب دیتے ہیں کہ اے ارجن! قائم العقل انسان وہ ہے جس نے اپنی حقیقت کو سمجھ لیا ہے، جس نے اپنی آتما کو پہچان لیا ہے۔ جس نے اپنے من کی خواہشات کو زیر کر لیا ہے۔ جو خواہشوں پر قابو پائے ہوئے اور ان کو لذات نفساتی سے ہٹا لینے پر اس طرح قادر ہے جس طرح کچھوا اپنے جسمانی اعضاء پر قادر ہوتا ہے۔ یعنی جب چاہتا ہے ان کو اپنے اندر سکیڑ لیتا ہے اور جب جی چاہتا ہے باہر نکال لیتا ہے۔

جو شخص اچھی چیز ملنے پر مسرور اور بری چیز ملنے پر غمگین نہیں ہوتا، جو کہ دکھ اور سکھ میں یکساں ہے، ایسا آدمی ہی قائم العقل ہے۔ اس کی عقل ”قائم“ ہوگئی ہے۔ وہ بیرونی واقعات سے متاثر نہیں ہوتی۔ اس میں تغیر و حرکت بند ہوگئی ہے۔ وہ عقل غیر متغیر ہے یعنی ایک جگہ پر ٹھہری ہوئی۔ دکھ سکھ ہار جیت، نفع نقصان سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ عقل شانت ہوگئی ہے۔ ایسی عقل رکھنے والا شخص قائم العقل ہے۔ چنانچہ بھگوان فرماتے ہیں کہ _____

”اے ارجن! جب آدمی کی عقل ٹھہر جاتی ہے، جب اس کی عقل قائم ہو جاتی ہے، تب وہ اپنی آتما میں ہی جذب ہو جاتا ہے۔ تب من میں پیدا ہونے والی تمام خواہشات ختم ہو جاتی ہیں۔“

مطلب یہ کہ قائم العقل انسان دنیا کی تمام خواہشات کو مٹا دیتا ہے۔ ایسا انسان سیاسی ہے۔ وہی یوگی ہے۔ وہی قائم العقل ہے۔ اس کی عقل اس نکتہ پر ٹھہر جاتی ہے

جو کہ آتما کا بھیس ہے۔ اور جہاں دنیا کی تمام تر خواہشات بھی اس میں ذرہ برابر ارتعاش نہیں پیدا کر سکتیں۔ وہ سدا ہی اپنی آتما میں مست و بے خود رہتا ہے۔
گیتا کا اشلوک ہے:

دکھ۔ ایشو۔ انودوگن۔ منا سکیشو۔ وگت۔ سپرا۔

دیت۔ راگ۔ بھنے۔ کرودھا۔ ستحت۔ دھیر۔ منی۔ اوپتے

ترجمہ: اے ارجن! جو آدمی دکھ میں دکھی نہیں ہوتا اور سکھ کا لالچ نہیں کرتا، جس نے خواہش، خوف اور غصہ، تینوں کو اپنے اندر سے نکال دیا ہے، ایسا انسان قائم العقل ہے۔ وہ منی یعنی درویش کہلاتا ہے۔

یہ الفاظ خواجہ صاحب ہ

جو سکھ سے سکھی ہو، نہ دکھ سے دکھی

نہ خوف اس کو آئے، نہ غصہ کبھی

نہ جذبوں کو جنجال میں آئے وہ

منی قائم العقل کہلائے وہ

بھگوان آگے فرماتے ہیں کہ:

”اے ارجن! جو آدمی دنیاوی لوازمات میں یعنی اہل ہوس میں عام آدمیوں کی طرح رہتا ہے اور دنیاوی لذتوں سے مرعوب نہیں ہوتا، دنیا میں رہتے ہوئے بھی اس کا دل وہاں نہیں پھنستا، لگاؤ میں نہیں آتا، جو نفرت اور الفت کے جذبات سے بالاتر ہے۔ نہ اس کا کوئی دوست ہے، نہ دشمن، جو سب کے ساتھ ایک جیسا ہے، جس نے اپنے من اور حواس کو زیر کر لیا ہے۔ اس کی طبیعت دکھ، سکھ، نفع، نقصان، ہارجیت، خوف، غصہ سے بالکل متاثر نہیں ہوتی ہے بلکہ ہر حالت میں شانت اور قائم رہتی ہے۔ اے ارجن! ایسا آدمی دنیا میں برتتے ہوئے بھی، دنیاوی جدوجہد میں حصہ لیتے ہوئے بھی سنسار (دنیا) سے الگ تھلگ رہتا ہے، دنیا میں بے لگاؤ رہتا ہے، وہ قائم العقل ہے۔ اس کی عقل ہر جگہ پر اور ہر وقت قائم ہے۔ شاستر (مذہبی کتب) بھی ایسے آدمی کو قائم العقل قرار دیتے ہیں۔

ان اشلوکوں کو شاعر نظم میں یوں بیان کرتا ہے۔

اس کی قائم عقل ہے جو ذات میں مسرور ہے

جس کے دل سے ہر دو عالم کی تمنا دور ہے

ہے وہ عارف جس کو غصہ، شوق اور نفرت نہیں

رنج میں کلفت نہیں، آرام سے الفت نہیں
شادی و غم نہیں، جس کو مسرت و ملال
سب سے بے لوث ہے، وہ آدمی ہے باکمال
قائم العقل انسان کی خوبیوں کا بیان ہو چکنے کے بعد بھگوت گیتا کا دوسرا باب ختم ہوتا

ہے۔

دوسرے باب کا خلاصہ

دوسرے باب میں بھگوان کرشن نے ارجن کو ان چار باتوں کے بارے میں بتایا ہے :

- 1- آتما امر ہے۔ یہ کبھی فنا نہیں ہوتی۔ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔
- 2- کشتیری کا دھرم یہ ہے کہ وہ دل و جان کے ساتھ یدھ میں حصہ لے اور دشمن پر فتح کر لے یا خود مٹ جائے۔ دھرم یدھ نہ کرنا، یا میدان میں پیٹھ دکھانا کشتیری کے لئے گناہ عظیم ہے جو اسے سیدھا جہنم میں لے جاتا ہے۔
- 3- نش کام کرم یعنی پھل کی خواہش دل میں نہ رکھ کر، ذاتی غرض چھوڑ کر، محض اپنا فرض سمجھ کر زندگی کے تمام اعمال و افعال سرانجام دینا، خدمت کے جذبہ سے خدمت خلق کرنا۔
- 4- قائم العقل۔ عقل کو ہمیشہ قائم رکھ کر عمل کرنا۔ مطلب یہ کہ ہارجیت، نفع نقصان کو برابر سمجھ کر زندگی کی تگ و دو میں تندہی سے شرکت کرنا۔ ہمیشہ ٹھنڈا دماغ رکھنا۔

دراصل یہی چار باتیں گیتا کی تعلیمات کا لب لباب ہیں۔ اگر ارجن انہیں سمجھ جاتا تو گیتا یہیں اس دوسرے باب پر ہی اختتام پذیر ہو جاتی اور باقی کے سولہ باب ظہور میں ہی نہ آتے۔ مگر ارجن سخت گھبرایا ہوا تھا اور اس کا دماغ پوری مستعدی سے سوچنے کے قابل نہ تھا۔ اس لئے وہ مندرجہ بالا باریک اور گہری باتوں کو نہ سمجھ سکا۔ چنانچہ بھگوان کرشن سے سوال کیا: اے بھگوان! ایک طرف تو آپ عقل کو قائم رکھنے کی ہدایت کرتے ہیں اور دوسری جانب مجھے اس خونریزی میں شریک ہونے کا حکم بھی دیتے ہیں۔ آپ کی ان متضاد

باتوں سے میری پریشانی کم ہونے کی بجائے اور بھی بڑھ گئی ہے۔ برائے مہربانی صاف صاف بتائیں کہ میرے لئے اس وقت کونسا راستہ بہتر ہے۔

یہ الفاظ خواجہ دل محمدؐ

بتا مجھ کو جبار کیسو دراز

عمل سے اگر علم ہے سرفراز

تو رکھا نہیں مجھ کو آزاد کیوں

مجھے قطعی بات بتلا دیجئے

بھلائی کی راہ پر چلا دیجئے

ارجن کی یہ بات سن کر بھگوان کرشن ان باتوں کو بخوبی واضح کرنے کے لئے پھر اپدیش

شروع کرتے ہیں جس سے بھگوت گیتا کے تیسرے باب کا آغاز ہوتا ہے۔

www.kitabosunnat.com

تیسرا باب

عمل میں جٹ جانا (کرم یوگ)

تو جب ارجن یہ کہتا ہے کہ ایک طرف دل کو تمام خواہشات سے آزاد رکھنے کی نصیحت اور دوسری جانب خون بہانے کے لئے کمر بستہ ہونے کے حکم نے مجھے شش و پنج میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس لئے واضح طور پر بتائیں تو ارجن کے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے بھگوان کرشن جی فرماتے ہیں کہ ”اے ارجن! کرم یوگ سے بڑھ کر انسان کے لئے مکتی اور نجات کا کوئی بہتر راستہ نہیں ہے۔ تو کرم یوگ بن کر جنگ میں شریک ہو جا۔ یعنی اپنی عقل کو قائم کر کے، مطمئن خیالات کے ساتھ، کامیابی اور ناکامی کو برابر سمجھ کر، میدان جنگ میں کود پڑ، کہ اسی کا نام کرم یوگ ہے اور اسی میں تیری بہتری ہے، اسی میں تیرا اطمینان پوشیدہ ہے۔“

گیتا کے تیسرے باب کے بارے میں مہاتما گاندھی کا کہنا تھا کہ یہ بھگوت گیتا کے اصلی روپ کو سمجھنے کی کنجی ہے۔

جس نے یہ تیسرا باب سمجھ لیا، اس نے گیتا کے راز کو پا لیا۔ اس باب کو سمجھے بغیر گیتا کا درس ایک سر بستہ راز ہے اور تیسرا باب اس راز کو افشا کرنے کے لئے بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ جب تک کرم یوگ کا مسئلہ سمجھ نہیں آتا، گیتا کی تعلیم سمجھ نہیں آسکتی۔

اس باب کے چند اشلوک ذیل میں دیئے جا رہے ہیں۔

بھگوان فرماتے ہیں:

ابوم۔ پرور تسم۔ چکرم۔ نہ۔ انور تیتی۔ ایسہ۔ یا

اگھایو۔ اندری۔ آرامو۔ موگھم۔ پارتھ۔ سا۔ جیوتے

ترجمہ: اے ارجن! میں نے یہ جو کائنات تخلیق دے رکھی ہے، دراصل یہ میں نے خدمت خلق کا چکر چلا رکھا ہے۔ جو شخص اس چکر کو اپنی طاقت کے مطابق، اپنی طاقت کے مطابق آگے کو نہیں دھکیلتا وہ حواس کی لذات میں ڈوبا ہوا ہے۔ وہ نفسانی خواہشات میں پھنسا رہتا ہے اور اس کا جینا بیکار ہے۔

چنانچہ شری ویاس منی جی بھی فرماتے ہیں:

پر۔ اپکار۔ سور گائے۔ پاپائے۔ پر۔ پیڑنم

ترجمہ: خدمت خلق کرنے والا بہشت میں جاتا ہے اور دوسروں کو دکھ پہنچانے والا جہنم میں۔ گویا مخلوق کی خدمت ہی بہشت تک جانے کے لئے صراطِ مستقیم ہے۔ جو شخص اپنے ہم نفس کی خدمت نہیں کرتا، دکھیوں کے دکھ دور نہیں کرتا، رُخمی دل پر پھاپا نہیں رکھتا، کسی رونے والے کے آنسو نہیں پونچھتا اس کا زندہ رہنا فضول اور بے مقصد ہے۔ وہ جیتا ہوا بھی مرے ہوؤں کے برابر ہے۔

گورو ارجن دیو جی مہاراج سکھ منی صاحب میں فرماتے ہیں:

متھیا تن نہیں پراپکارا
متھیا سانس بہت بے کارا

یعنی جو آدمی دوسروں کی خدمت کرنے کے لئے نہیں جیتا۔ اس کا جینا بیکار ہے۔ وہ محض سانس لے رہا ہے، جی نہیں رہا۔ Live نہیں کر رہا۔ ایسا آدمی تو سانس لینے والی دھونکنی ہی ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

پیارے بھائیو! لوگوں میں یہ عام خیال پایا جاتا ہے کہ آتم گیانی، یعنی جس نے خودی تک رسائی حاصل کر لی ہوئی ہے، جس کی آنکھ اپنے اندر کو کھلی ہے، جو سدا اپنی آتما میں ہی لگن رہتا ہے، جو روحانی معراج پر پہنچ چکا ہے، ایسے آدمی کے لئے کرم (عمل) کرنا فرض نہیں، یعنی وہ عمل کرنے کے لزوم سے مبرا ہے۔ بھگوان کرشن فرماتے ہیں، واقعی آتم گیانی، (خود آگاہ) کے لئے کرم کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔ کرم کرنے سے اس کی ذات کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر نہ کرے تو اس کی ذات کو کوئی نقصان بھی نہیں ہوگا۔ وہ تو منزل مقصود پر پہنچ چکا ہے۔ وہ زندگی کا مقصد یعنی خود آگاہی کو حاصل کر چکا ہے۔ اب کرم کرنا نہ کرنا اس کے لئے ایک سا ہے۔ مگر بھگوان کرشن کرم کرنے کو ایسے آدمی کے لئے بھی ضروری قرار دیتے ہیں، اپنے لئے نہیں مگر دوسروں کی بھلائی کے لئے اور دوسروں کے سامنے اچھی مثال پیش کرنے کے لئے عارف کو بھی کرم کرنا چاہئے کیونکہ یہ بات عوام کی فطرت میں شامل ہے کہ وہ بڑے آدمیوں کی پیروی کرتے ہیں۔ جو کچھ انہیں کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، وہی خود بھی کرتے ہیں۔ عام لوگوں مردانِ عظیم کو جو کچھ کرتا دیکھیں گے خود بھی ویسے ہی کرنے لگیں گے۔ لہذا ایک عارف کے لئے بھی کرم کے ذریعے اچھی مثال قائم کرنی دوسروں کی بھلائی کرنی چاہئے۔

چنانچہ بھگوان کرشن کرم راجہ جنک کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ —
 ”اے ارجن! راجہ جنک وغیرہ نے بے لوٹ عمل سے ہی نجات حاصل کی ہے۔ اس
 لئے لوگوں کی بھلائی کو مد نظر رکھتے ہوئے تجھے بھی کرم کرنا ضروری ہے۔“
 انہی خیالات کو خواجہ دل محمد نے یوں پیش کیا۔

کوئی نامور شخص کرتا ہے کام
 تو کرتے ہیں تقلید اس کی عوام
 بڑا آدمی جو بنائے اصول
 وہی ساری دنیا کرے گی قبول
 عمل سے بزرگوں نے پایا کمال
 جنک جیسے انسان ہوئے باکمال
 اسی طرح نیکی کئے جاؤ تم
 جہاں کو بھلائی دیتے جاؤ تم

آگے چل کر بھگوان فرماتے ہیں:

سکتا۔ کرمنڈی۔ اووانسو۔ تہا۔ کورونتی بھارت۔

کریات۔ دووان۔ اسکتی۔ پکیرشو۔ شگرہم

ترجمہ: اے ارجن! جس طرح جاہل لوگ اپنی غرض کے لئے کام کرتے ہیں، اسی طرح
 عارف (گیانی) لوگ بے لاگ ہو کر سنسار کے آئند اور اطمینان کے لئے عمل کرتے ہیں۔
 جاہل لوگ اپنے لئے جیتے ہیں اور گیانی لوگ دوسروں کے لئے۔ جاہل لوگ خود غرضی کے
 ساتھ سارے عمل اپنی خاطر کرتے ہیں اور گیانی لوگ بے غرض ہو کر دنیا کی خدمت کے
 لئے زیادہ شوق اور تندہی سے اپنے فرائض بجالاتے ہیں۔

بہ الفاظ خواجہ صاحب۔

ہوں جس طرح مورکھ عمل میں ممکن
 انہیں کام کی ہی گھی ہے ممکن
 ہوں ویسے ہی دانہ کے نش کام کام
 رہے تاکہ لوگوں میں قائم نظام

لوگ مانیہ تک جی مہاراج اپنی مشہور ”گیتا رہسہ“ میں کہتے ہیں کہ گیانی اور آگیانی
 (جاہل) دونوں کے لئے عمل کرنا لازمی ہے اور بظاہر ان دونوں میں کوئی فرق بھی نہیں ہوتا۔

کوئی فرق ہے تو وہ صرف نیت کا۔ کام ایک ہی ہوتا ہے۔ اگیانی اسے اپنی غرض کے لئے پھل کی خواہش سے کرتا ہے۔ کامیابی سے خوش اور ناکامی سے غمگین ہوتا ہے۔ اس کے برعکس گیانی اپنی ذات کو بالائے طاق رکھ کر محض دوسروں کی خدمت کے لئے عمل کرتا ہے۔ اگیانی کے لئے عمل بندھن کا باعث ہوتا ہے مگر گیانی کے لئے نجات کا۔ یعنی اگیانی کو تو اپنے اعمال کا پھل بھگتنے کے لئے بار بار دنیا میں آنا پڑتا ہے۔ مگر گیانی عمل کرتا ہوا بھی ہمیشہ کے لئے پرما میں سما جاتا ہے، جذب ہو جاتا ہے اور مکتی حاصل کر لیتا ہے۔

بھگوت گیتا صلہ کی امید رکھے بغیر پیہم عمل کرنے کی ہدایت کرتی ہے۔ پرزور الفاظ میں بار بار۔ اس لئے خود غرض آدمی یا ایسا انسان جس نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے، وہ بھگوت گیتا کی تعلیم کے خلاف چلتے ہیں اور بھگوان کرشن ایسے آدمیوں کی سختی سے مذمت کرتے ہیں۔ گیتا اور اس تیسرے باب کا لب لباب یہی ہے کہ آدمی عمل تو ضرور کرے مگر خدمت کے جذبہ سے۔ عمل کا مقصد اپنی غرض پورا کرنا نہیں بلکہ دوسروں کی خدمت ہونا چاہئے۔ بے لوث ہو کر، لگاؤٹ چھوڑ کر کام کرو۔ کوئی بھی عمل کرتے وقت صلے کی امید دل میں نہ رکھو۔ یہی سمجھو کہ بھگوان نے تمہارے اوپر جو فرض عائد کیا ہے اسے سرانجام دے کر تم اپنے بھگوان کا حکم بجا لا رہے ہو۔ اس سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ فقط خدمت اور سیوا کی نیت سے کیا ہوا کام ہی ”نش کام کرم“ کہلائے گا۔ اسے کرم یوگ کہتے ہیں اور یہی گیتا کا اصل اپدیش (نصیحت) ہے۔

مہاتما گاندھی کا کہنا تھا:

”گیتا کہتی ہے، ”نتیجے کی فکر چھوڑو اور عمل کرو۔“ امید چھوڑو اور عمل کرو۔ بے لوث ہو کر کام کرو۔ یہ گیتا کی ایک ناقابل فراموش نصیحت ہے جو عمل چھوڑتا ہے وہ گرتا ہے۔ عمل کرتے ہوئے جو اس کے نتیجے سے بے نیاز ہو جاتا ہے اسے اوج نصیب ہوتی ہے۔ گوروارجن دیوجی نے سکھ منی صاحب میں فرمایا ہے۔

سیوا کرت ہووے نہ کامی
نس کوں ہوت پراپت سوامی

مطلب یہ کہ آدمی کو بے غرض ہو کر دل و جان کے ساتھ سیوا کرنی اور اپنے کئے ہوئے عمل کے پھل کی خواہش کو دل میں ہرگز نہیں رکھنا چاہئے۔ ایسے سیوک کو بہت جلد بھگوان پراپت (حاصل) ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بے لوث خدمت کرنے سے اس کا من پاکیزہ اور صاف ہوتا چلا جاتا ہے اور آخر میں آئینہ کے مانند شفاف ہو جاتا ہے جس میں بھگوان

کا عکس خود بخود دکھائی دینے لگتا ہے۔

اس کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے معجز صاحب کہتے ہیں۔

فرض پورا کر، کہ بیکاری سے افضل کار ہے
 آدمی کی زندگی، بے عمل دشوار ہے
 کام دے انجام، لیکن اس میں آغشتہ نہ ہو
 راحت دل ہے میرے بے تمنا شخص کو
 دل سے تو میرے حوالے کر افعال کو
 بے خطر اور بے تمنا جنگ میں مشغول ہو

دھرم کا زوال اور ظہورِ حق

گیتا کے چوتھے باب میں بھگوان کرشن ارجن سے کہتے ہیں کہ ”اے ارجن! میں نے دسوان کو بھی بے لوث خدمت کا یہی اپدیش دیا تھا۔ پھر دسوان نے منو کو اور منو نے اپنے بیٹے اکشوا کو کو سنایا۔ بہت زمانے گزر جانے سے یہ اپدیش دنیا سے نابود ہو گیا اور آج پھر میں تجھے سنا رہا ہوں۔ تو میرا سچا بھگت اور مجھے عزیز ہے۔ یہ تیری عین سعادت مندی ہے۔“

اس پر ارجن نے حیران ہو کر پوچھا: ”مہاراج! یہ بات میں کیسے مانوں کہ آپ نے یہ اپدیش دسوان کو دیا تھا کیونکہ دسوان کو گزرے ہوئے تو ایک زمانہ گزر چکا ہے اور آپ اب آئے ہیں۔“

جواب میں بھگوان نے فرمایا _____

”اے ارجن! تیرے اور میرے بہت سے جنم ہو چکے ہیں۔ میں ان سب جنموں کو بہت اچھے طریقے سے مانتا ہوں مگر تجھے ان کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔“

بہ الفاظ معجز صاحب۔

ن ارجن ہوئے ہیں یہاں بار بار
تمہارے ہمارے جنم بے شمار
مجھے حال ان سب کا معلوم ہے
ترا حافظہ ان سے محروم ہے

پھر بھگوان نے یوں فرمایا:

یدا۔ یدا۔ ہی۔ دھرمیہ۔ گلانی۔ بھوتی۔ بھارت
ایہ۔ اتھانم۔ ادھرمیہ۔ تدا۔ آتما نم۔ سرجامی۔ اہم

ترجمہ: اے ارجن! جب جب دنیا میں دھرم کم ہوتا ہے اور ادھرم بڑھتا ہے، تب تب میں دنیا میں جنم لیتا ہوں۔

جنم کس واسطے لیتا ہوں، اس بارے میں فرماتے ہیں:
 پری۔ ترانزائے۔ ساوہو نام۔ ونا شائے۔ چہ۔ وشکر تام۔
 دھرم سنستھاپن۔ ارتھائے۔ سنہوامی۔ یگے۔ یگے۔

ترجمہ: نیک لوگوں کی حفاظت کی خاطر اور ظالموں کو سزا دینے کے لئے، دھرم اور صداقت کا بول پھر سے بالا کرنے کے لئے میں عہد بہ عہد دنیا میں ظاہر ہوتا ہوں۔
 خواجہ دل محمد نے یہ مضمون شعروں میں یوں بیان کیا۔

تنزل پہ جس وقت آتا ہے دھرم
 ادھرم آکے کرتا ہے بازار گرم
 یہ اندھیر جب دیکھ پاتا ہوں میں
 تو انساں کی صورت میں آتا ہوں میں
 بتلوں کو بروں سے بچاتا ہوں میں
 بروں کو جہاں سے مٹاتا ہوں میں
 جو ارجن سمجھ بے ان اسرار کو
 حذائی جنم اور کردار کو
 وہ مر کر میرے وصل سے شاد ہے
 تباخ کے چکر سے آزاد ہے

لیفی صاحب نے ان اشلوکوں کا ناری زبان میں ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

چو بنیاد دیں ست گروہ بے
 نمائیم خود را بہ شکل کے

ترجمہ: جب دھرم کی بنیاد کنزور پڑ جاتی ہے اور ادھرم بڑھ جاتا ہے تو میں دنیا میں انسان کے بھیس میں اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہوں۔

کہ حفظ ریاضت گزیناں کنم
 مراعات عزلت نشیناں کنم

ترجمہ: تاکہ اپنے بھگتوں اور عابدوں کی حفاظت کروں اور گوشہ نشین ریاضت کشوں اور سادھوؤں پر عنایات کی بارش کروں۔

بریزیم خون ستم پیشہ گان
جہاں را نمائیم دارالاماں

ترجمہ : تاکہ ظالموں کا خون بہا کر اس دنیا کو پھر سے امن کا گوارہ بنا دوں۔ یعنی کہ بھگوان کو دھرم اس قدر عزیز ہے کہ اگر وہ اسے خطرے میں دیکھیں تو انسان کے روپ میں خود ہی دنیا میں آتے ہیں۔ گو سوامی تلسی داس جی بھی اپنی تخلیق کردہ رامائن میں اسی موضوع پر فرماتے ہیں۔

جب جب ہووے دھرم کی ہانی
بڑھیں اسرے ادھم ابھیانی
کریں انٹی جائے نہیں بنی
سیدھیں وپرے دھین۔ سر۔ دھرنی
تب تب پر بھو دھروودھ شریرا
ہریں کر پاندھی سجن پیڑا

مطلب یہ کہ جب جب دھرم زوال پذیر ہوگا اور بدکار، بچ اور مغرور لوگوں کو دنیا میں سرفرازی اور ثروت حاصل ہوگی اور پاپی لوگ برہمن، گائے، دیوتاؤں اور مخلوق کو ستائیں گے اور اس قدر برائیاں کریں گے کہ جن کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ تب تب پر بھو طرح طرح کے قالب اختیار کر کے دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں اور پاپیوں کا ستیاناس کر کے اپنے بھگتوں کی تکالیف دور کرتے ہیں۔

جب شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے جنم لیا تو ہندوستان میں ہندوؤں کی حالت بہت بری تھی۔ دھرم زوال خورہ تھا، ملک میں ہر طرف ظلم و ستم اور بے انصافی کا دورہ دورہ تھا۔ نیک آدمی بدکاروں کے ہاتھوں استحصال سے بہت دکھی اور نالاں تھے۔

چنانچہ گورو جی مہاراج خود اپنے ظہور کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہم اہ کاج جگت میں مول آئے
دھرم ہیت گورو دیو پٹھائے

مطلب کہ ہم اس دنیا میں اس لئے آئے ہیں کہ ہمیں پر ماتا نے دھرم کی حفاظت کے لئے یہاں بھیجا ہے۔

جہاں تہاں تم دھرم بتھارو
دشٹ دو کھین پکڑ پچھاڑو

کہ جا کر ہر جگہ دھرم کی ترقی دو اور جہاں کہیں پاپی اور ظالم ملیں، انہیں پچھاڑو۔ ان کا ستیاناس کرو، تاکہ سادھو لوگ امن سے زندگی گزار سکیں۔

پھر فرماتے ہیں

ہم اہ کانج۔ وہرا جگ جنمنگ
سمجھ ہو سادھو سب منمنگ

مطلب یہ کہ ہم نے اسی واسطے دنیا میں جنم لیا ہے۔ سب سادھو اپنے من میں اس بات کو بٹھالیں اور تشفی رکھیں کیونکہ ہم انکے دکھ دور کرنے کے لئے ہی سنسار میں آئے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ دھرم کو ترقی دیں۔ دنیا میں پھر سے دھرم، سچ اور انصاف کا سکہ چلائیں۔ نیک آدمیوں کی حفاظت کریں۔ انکو ابھاریں اور سب ظالموں کو جڑ سے اکھیڑ پھینکیں، ان کا ستیاناس کر دیں۔ تاکہ جہاں میں امن و شرافت کا دور دورہ ہو جائے اور دھرم پھر سے ترقی کرے۔

بے لوث عمل کی عظمت

اس کے بعد اسی باب میں بھگوان یوگ کرم یوگ کی وضاحت کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کس طرح انسان عمل کرتا ہو بھی عمل کے بندھن سے آزاد رہ سکتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

یدرچھا۔ لایچھ۔ مستش۔ دوند۔ اتیت۔ ومتر۔

سا۔ سدھی۔ اسدھو۔ چہ۔ کرتوا۔ نہ بندھتے

ترجمہ: جو آدمی مکمل صدق دل اور تندہی سے کام کرتا ہے، مگر پھل کی خواہش کو دل میں نہیں لاتا، اور اس عمل کا جو بھی نتیجہ نکلے اس پر شاد رہتا ہے، جو دکھ سکھ سے بالاتر اور حسد و بغض سے آزاد رہ کر عمل کرتا ہے، ہار جیت، کامیابی اور ناکامی کو یکساں خیال کرتا ہے۔ اے ارجن! ایسا آدمی عمل کرتے ہوئے بھی عمل کے بندھن میں گرفتار نہیں ہوتا اور اس پر اعمال کا مطلق اثر نہیں پڑتا۔ اور اعمال اسے آواگون کے چکر میں نہیں پھنسا سکتے، ایسے آدمی کو ہی ہم کرم یوگی کہتے ہیں۔

صاحبان! بھگتی اور گیان سے آدمی صرف اپنے من کو پاک صاف کر کے اپنا ہی بھلا کر سکتا ہے۔ مگر راہ عمل سے من پاک کرنے اور اپنی ذات کو فائدہ پہنچانے کے ساتھ ساتھ دنیا کو بھی فائدہ پہنچا سکتا ہے اس لئے بھگوان کرشن کرم یوگ کو بھگتی اور گیان (معرفت) پر فوقیت دیتے ہیں۔ اور ارجن کو اس کا قائل کرنے کے لئے اسے بار بار دہراتے ہیں، کیونکہ یہ کرم یوگ ہی گیتا کا اصلی پیغام ہے۔

بھگوان فرماتے ہیں کہ دھرم کی حفاظت کے لئے بے لوث جذبے کے ساتھ یدہ کرنا ایک عظیم کار ثواب ہے۔

گمراہ کن محبت چھوڑ دو

ارجن ان باتوں کی وضاحت کے باوجود خیالوں کی کشمکش کا شکار ہے۔ وہ کشمکش کیا ہے،
آئیے خواجہ دل محمد کے الفاظ میں دیکھتے ہیں۔

کبھی کرم یوگ آپ اچھا بتائیں
کبھی کرم سنیاں کے گن گائیں
ہے بھگوان کون ان میں مرغوب تر
عمل ہے کہ ترک عمل خوب تر

یعنی ارجن کہتا ہے کہ بھگوان آپ کبھی بے لوث ہو کر عمل کرنے کی تلقین اور توصیف
کرتے ہیں اور کبھی سب سے لا تعلق ہو جانے کے گن گاتے ہیں۔ مجھے بتائیں کہ ان میں
سے بہتر کیا ہے۔ عمل یا ترک عمل۔

بھگوان کرشن فرماتے ہیں:

برہمشری۔ آدھائے۔ کرمانشری۔ سنگم۔ تیکتوا۔ کروتی۔ یا۔

لبینے۔ نہ۔ سا۔ پاپین۔ پدم۔ پترم۔ او۔ اسمہ۔ سا

ترجمہ: اے ارجن! جو آدمی اپنے اعمال میں سے ذاتی غرض نکال کر انہیں پرہاتما کی
نذر کر دیتا ہے، وہ پاپ سے آزاد رہتا ہے۔ اعمال کا پاپ اس پر قطعاً لاگو نہیں ہوتا۔ وہ
آدمی پاپ سے ایسے ہی آزاد ہے جیسے کنول کا پتا پانی میں رہتے ہوئے بھی تر نہیں ہوتا۔

آدمی کو چاہئے دنیا میں رہنا کس طرح؟

جس طرح تالاب کے پانی میں رہتا ہے کنول

تو صاحبان! بھگوت گیتا کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو دنیا میں زندگی ایسے بسر کرنی
چاہئے، جس طرح کنول کا پتا پانی میں رہتا ہے اور پھر بھی خشک رہتا ہے۔ لہذا آدمی کو بھی
چاہئے کہ وہ تمام کاروبار زندگی میں حصہ لیتے ہوئے بھی خود کو اس کے اثرات سے آزاد
رکھے۔ کامیابی پر خوش اور ناکامی میں غمگین نہ ہو۔ محض اس خیال کو دل میں رکھ کر عمل

کرے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ پر ماتما کا حکم ہے۔ پر ماتما ہی قادر مطلق ہے۔ میں تو اس کا ناچیز آلہ کار ہوں۔ ایک ذریعہ۔

معجز صاحب اس اشلوک کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

جو ادا کرتا ہے اپنا فرض، خواہش چھوڑ کر
برگ نیلو فر ہے سیلاب گناہ میں وہ بشر
مطلب یہ کہ بے تعلق ہو کر فرض ادا کرنے والا شخص سزا و جزائے اعمال سے کنول
کے پتے کی مانند مبرا رہتا ہے۔ اس کو اپنے اعمال کی سزا ہرگز نہیں مل سکتی۔

خواجہ دل محمد اس اشلوک کو یوں بیان کرتے ہیں۔

رہے بے تعلق کرے جب عمل

خدا ہی کی خاطر کرے سب عمل

خطا سے ہمیشہ رہے گا بری

کنول کے نہ پتے پر ٹھہرے تری

ایک فارسی شاعر کہتا ہے۔

ترک دنیا نیست ترک دولت و فرزند و زن

بلکہ دل را پاک کردن از محبت این و آن

دولت بیوی اور بچوں کو چھوڑ دینے کا نام تیاگ نہیں ہے بلکہ ان کی محبت سے، ان کی کشش سے دل کو پاک کر دینے کا نام ہی تیاگ ہے۔

یعنی انسان تمام کاروبار حیات میں شریک ہو، دولت بھی کمائے، شادی بھی کرے، بچے بھی ہوں مگر دل کو ان کی محبت میں نہ پھسائے، دل میں ہمیشہ اپنے پر ماتما کا دھیان رکھے۔ اسی کا نام تیاگ ہے۔ اور یہی سنیاں ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں۔

چسیت دنیا از خدا غافل بودن

نے قماش و نعرہ و فرزند و زن

مطلب، دنیا داری کسے کہتے ہیں؟ دولت جمع کرنے اور بیوی بچوں کے ہونے کا نام

دنیا داری نہیں ہے بلکہ خدا کو بھلا دینے کا نام ہی دنیا داری ہے۔

یعنی دنیا دار وہ ہے جو بچوں، بیوی اور دولت کی محبت میں غرق ہو کر اپنے مالک کو بھول

جاتا ہے۔ اپنے مالک سے بے رخی کا نام ہی دنیا داری ہے۔ اگر ان چیزوں کے ہوتے ہوئے

بھی انسان خدا کو یاد رکھتا ہے تو وہ دنیا دار نہیں بلکہ سچا تیاگی ہے۔
گورو نانک دیو بھی فرماتے ہیں۔

انجن ماہیں زرنجن رہے
یوگ یکت۔ او۔ پائیے

ترجمہ: انسان کو چاہئے کہ دنیا میں برتے ہوئے بھی بے تعلق رہے۔ اسی روش اور طریق عمل کا نام یوگ ہے۔

اسی موضوع پر گورو جی کا ایک اور فرمان ہے۔

جیسے جل میں کنول نرالم۔ مرغابی نسیانے
شبد سرت بھوساگر تریئے۔ نانک نام بکھانے
شید سرت بھوساگر تریئے

مطلب، کنول کے پتے اور مرغابی کے پروں پر چکناہٹ ہوتی ہے، جس سے وہ پانی میں رہتے ہوئے بھی تر نہیں ہوتے۔ اسی طرح انسان کو بھی چاہئے کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیاوی تعلقات سے آزاد رہے اور ہر وقت اپنے دل کو پر ماتما کی طرف لگائے رکھے اور سچے دل سے اس کا بھجن (ذکر، ورد) کرتا ہوا زندگی کے سمندر کو پار کرے۔

فارسی کا ایک اور شعر ہے۔

بگیر رسم تعلق ولاز مرغابی

رود در آب وچو برخاست خشک پر برخاست

مطلب: اے دل! بے تعلق کا طور مرغابی سے سیکھ کہ وہ پانی کے اندر سے جب باہر نکلتی ہے تو اس کا جسم گھیلا نہیں ہوتا۔ تمہیں بھی چاہئے کہ دنیا میں اسی طرح بے تعلق ہو کر زندگی گزارو تاکہ جب دنیا سے تمہارے کوچ کا وقت آئے تو تمہیں دنیاوی چیزوں (دھن، بیوی، بچے اور عزیز) چھوڑنے کا زرہ برابر بھی رنج اور دکھ نہ ہو۔

بے لوث، بے لگاؤ ہو کر دنیا میں زندگی گزارنا ہی گیتا کا اصلی اپدیش ہے۔ بھگوان کرشن ارجن کو حکم دیتے ہیں کہ ”اے ارجن! اس دھرم یدھ میں اس طرح کود پڑ، جس طرح کنول کا پتہ پانی میں رہتا ہے۔“ یعنی خواہش اور لگاؤٹ چھوڑ کر، فقط اپنا فرض جان کر اس دھرم یدھ میں جٹ جا۔ ایسا کرنے سے تمہیں کوئی پاپ نہیں بلکہ عین بنیہ (ثواب) ہوگا۔

چھٹا باب

ضبط نفس

اس چھٹے باب کا پہلا اشلوک ہے:

انا شرّتا۔ کرم بحلم۔ کاریم۔ کرم۔ کروتی۔ یا۔

سا۔ سنیا سی۔ چا۔ یوگی۔ چا۔ نہ نراگنی۔ نہ۔ چا۔ اکریا

ترجمہ: اے ارجن! جو شخص صلہ کی امید رکھے بغیر عمل کرتا ہے، یعنی کام کو محض فرض سمجھ کر سرانجام دیتا ہے، وہی سنیا سی اور یوگی ہے نہ کہ وہ شخص جس نے عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔

مدعا یہ کہ آدمی عمل کو چھوڑ بیٹھنے سے سنیا سی نہیں بن سکتا۔ سنیا سی وہی ہے جو عمل کے پھل کی تمنا دل میں نہیں رکھتا۔ جو آدمی ثمرہ اعمال کی خواہش چھوڑ کر عمل کرتا ہے وہی سنیا سی ہے نہ کہ کاہل اور بے عمل۔

اسی اشلوک میں بھگوان نے صاف فرمایا ہے کہ سنیا سی اور یوگی میں کوئی امتیاز و فرق نہیں۔ بے لوث عمل کرنے والا آدمی ہی سچا سنیا سی اور یوگی ہے۔ راہ عمل پر چلنے والا ہے، عمل چھوڑ کر بیٹھ جانے والا نہیں۔ وہ تو بے عمل اور بے کار آدمی ہے۔ معاشرے پر ایک بوجھ۔

من

صاحبان! من (دل) ایک سمندر کے مانند ہے جس طرح سمندر میں ہر وقت پانی کی لہریں اٹھتی رہتی ہیں، ایک مسلسل ہلچل کی حالت ہوتی ہے بالکل اسی طرح من میں بھی ہر وقت ہلچل، بے قراری اور مدوجزر رہتا ہے۔ لہریں اٹھتی رہتی ہیں۔ من میں اٹھنے والی ان لہروں کو خواہشات کہا جاتا ہے۔

جس طرح پانی کے لئے بہنا اس کی خاصیت ہے، جس طرح ہوا کے لئے چلنا اس کی خاصیت ہے، جس طرح لہروں کو پیدا کرنا سمندر کی خاصیت ہے، جب تک پانی، ہوا اور سمندر ہے ان میں ان کی یہ خصوصیات بھی موجود رہیں گی۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ سمندر میں لہریں اٹھنا بند ہو جائیں، بالکل اسی طرح جب تک من ہے، اس میں خواہشات ضرور پیدا ہوں گی۔ من ہو، اور اس میں لہریں یا ترنگیں پیدا نہ ہوں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

من میں اٹھنے والی لہریں یا ترنگیں بے شمار قسم کی ہوتی ہیں، یہی ہماری خواہشات ہیں۔ یہ من میں ایسے پیدا ہوتی ہیں جیسے پانی میں بلبلے، جو پیدا ہوتے اور مٹ جاتے ہیں۔ من میں اٹھنے والی خواہشات ہمیشہ من کو دنیاوی لذات کی طرف کھینچتی رہتی ہیں۔ جب تک من میں ہلچل رہتی ہے، من میں خواہشات اٹھتی رہتی ہیں، تب تک من کا تعلق جسم اور باہر کی دنیا کے ساتھ مضبوط اور قائم رہتا ہے۔ جب تک یہ امنگیں اور تمنائیں پیدا ہوتی رہیں، من آتما کی طرف سے خبر رہتا ہے۔ من کی ساری توجہ دنیا، آرام و آسائشات اور لذتوں سے وابستہ رہتی ہے۔ من کا رخ بیرونی دنیا کی طرف مائل یعنی مرکز گریز رہتا ہے۔ من اپنے اندروں سے بے خبر اور بے بہرہ رہتا ہے۔

تزکیہ نفس

آگے چل کر اسی باب میں شری کرشن بھگوان نے یوگ ابھی اس یعنی ضبط نفس پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کو شغل بھی کہتے ہیں۔ بھگوان نے یوگ کے شغل حاصل کرنے کے طریقے بھی بتلائے ہیں۔

یہ بات عیاں ہے کہ من ایک وقت میں صرف ایک کام کر سکتا ہے۔ ایک وقت میں ایک شے سے ہی تعلق رکھ سکتا ہے، یا جسم سے، یا آتما سے۔ جب من کی وابستگی جسم سے ہوتی ہے، جب اس کا تعلق بدن سے ہوتا ہے، تو من آتما سے بے خبر اور بے رخ ہوتا ہے اور جب ان کی وابستگی جسم سے ختم ہو کر آتما کے ساتھ ہو جاتی ہے تو جسم اور خارجی دنیا کی کوئی خبر نہیں رہتی۔ اس وقت اس میں ساری ہلچل اور اضطرابی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ نہ کوئی بے چینی رہتی ہے، نہ فکر اور نہ ہی کوئی یاد۔ اس سے من پوری طرح آتما سے جڑ جاتا ہے اور دائمی سکھ کا سکون پاتا ہے۔ آتما کے ساتھ وابستہ من ہو کر سردی گرمی، دکھ سکھ، الفت نفرت وغیرہ، کسی بھی دنیاوی قدر کا احساس نہیں رہتا۔

ایک بات یاد رہے کہ جسے دکھ سکھ کہا جاتا ہے، جسے سب الفت و نفرت کہتے ہیں، جسے سردی گرمی کہتے ہیں، یہ سب کے سب من کے احساسات ہی ہیں، آتما کے نہیں۔ آتما تو اس طرح کی تمام دنیاوی قدروں اور خصوصیت سے ماورا اور بے نیاز ہے۔ جب من جسم کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے تب اس کو سردی گرمی یا دکھ سکھ جیسی باتوں کا احساس ہوتا ہے لیکن جب من آتما کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے تو اسی وقت دنیا دھندے یکسر ختم ہو جاتے ہیں۔ من کو نہ کسی سردی کا احساس رہتا ہے نہ گرمی کا۔ سکھ کی خوشی ہوتی ہے نہ دکھ پر حزن و ملال۔ کوئی خواہش رہتی ہے، نہ غصہ، نہ لالچ، غرض اس وقت من کی یاد سے دنیا کا تصور ہی محو ہو جاتا ہے۔ تب من اس اعلیٰ ترین سکھ اور شانتی کو محسوس کرتا ہے جسے روحانی سکھ کہتے ہیں۔ اس کو پریم سکھ (ازلی طمانیت) پریم شانتی (ازلی ٹھہراؤ) وغیرہ بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ یہی ابدی خوشی اور پرماتما میں سما جانے کی حالت ہے۔

من کی اس حالت کا بیان الفاظ میں نہیں ہو سکتا۔ یہ تو چکھنے اور محسوس کرنے سے

تعلق رکھتی ہے۔ روحانیت میں حاصل ہونے والا سکھ اور اطمینان قابل بیان تو نہیں البتہ قابل محسوس ہے۔

من کا تعلق جسم سے توڑنا اور آتما سے جوڑنا، اس تزکیہ کا نام یوگ ہے۔ یوگ کے لفظی معنی ہیں جڑنا۔ جب من آتما میں جڑ جاتا ہے تو اس کیفیت کو یوگ کہتے ہیں۔ من کو جسم سے الگ کر کے آتما سے جوڑنا کیسے آسان اور سادہ سے الفاظ ہیں، مگر یہ کرنا بہت ہی کٹھن اور مشکل کام ہے۔ یوگ کی مشق ایسی کٹھن ہے جیسے استرے کی دھار پر چلنا۔ اس کے لئے ایک استاد کامل کی ضرورت ہے۔ مرشد کامل درکار ہے جو یوگ سکھائے۔ گرو کے بغیر یوگ کا سیکھنا ناممکن ہے، بلکہ گرو کی رہنمائی کے بغیر یوگ کی مشق اکثر اوقات نقصان کا باعث بنتی ہے۔

جس طرح کشتی کی کتابیں ازبر کر لینے سے کوئی آدمی پہلوان نہیں بن سکتا جب تک کہ کسی استاد سے کشتی کا ہنر نہ سیکھا جائے۔ جس طرح ٹینس کی کتابیں پڑھ لینے سے آدمی ٹینس کا کھلاڑی نہیں بن جاتا، جب تک کہ خود نہ کھیلے اور کافی توجہ اور محنت سے مشق نہ کرے۔ ٹھیک اسی طرح یوگ کی کتابیں رٹ لینے سے یوگ نہیں آسکتا۔ آپ سارا یوگ شاستر (یوگ کی کتاب) حفظ کر لیں مگر اس سے یوگ کی مشق نہیں آجائے گی۔ یہ تو کسی قابل گرو سے سیکھنے اور پھر اپنی کمائی کرنے سے آتی ہے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ روحانیت کے میدان میں کسی گرو کی ضرورت نہیں۔ کیسی حیرت انگیز بات ہے کہ دنیاوی علوم سیکھنے کے لئے تو گرو کی ضرورت ہے اور روحانی علم کے لئے نہیں۔ کوئی ہنر، کوئی پیشہ، کوئی علم اس وقت تک نہیں سیکھا جا سکتا جب تک کہ کسی گرو کی رہنمائی شامل حال نہ ہو۔ روحانیت کے میدان میں تو گرو کی مدد کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جا سکتا۔ یوگ تزکیہ نفس کرنا گرو کے بغیر صریحاً "ناممکن ہے۔ مکمل گرو، مرشد کامل بھی بڑی خوش نصیبی سے ملتا ہے۔ وہ شخص انتہائی درجہ کا خوش نصیب ہے جس کو مرشد کامل مل گیا ہو۔ ایسے گرو کے ملنے کے بعد منزل مقصود چنداں مشکل نہیں رہتی۔ پھر تو بیڑا پار سمجھیں۔

مولانا ناروی صاحب فرماتے ہیں۔

یک نہ مانے جتے با اولیاء
خوش تراز صد سالہ طاعت بے ریا
گر تو سنگ خارا و مرمر بوی

چوں بہ صاحب دل رسی گوہر شوی
ترجمہ: کامل گرو کی صحبت میں ایک پل گزارنا سو سال کی سچی بھگتی سے بھی بڑھ کر
ہے۔ اے انسان! چاہے تو نوکدار پتھر کی مانند ہے یا سنگ مرمر کی طرح سخت اور اجڑ ہے،
کامل گرو کی صحبت میں رہنے سے گوہر بن جائے گا۔ کامل گرو کی صحبت انسان کو پتھر سے
گوہر بنا دیتی ہے۔

گو سوامی تلسی داس جی بھی کہتے ہیں۔

ایک گھڑی، آدھی گھڑی، آدھی کی بھی آدھ

تلسی شکت سادھ کی کوٹ کئے اپراوہ

مطلب: سادھ کی شکت میں، کامل گرو کی شکت میں ایک گھڑی، آدھ گھڑی یا چوتھائی
گھڑی رہنا بھی کروڑوں پاپوں کو فنا اور آدی کو پاکیزہ کر دیتا ہے۔
گورو نانک دیو جی کا بھی فرمان ہے۔

بے سو چندا آگے

سورج چڑھے ہزار

اٹے تت جان ہوندیاں

گر بن گھور اندھار

ترجمہ: چاہے سینکڑوں چاند روشن ہوں، چاہے ہزار سورج چمک رہے ہوں، اس قدر
روشنی کے ہوتے ہوئے بھی جب تک مرشد کامل کی رہنمائی حاصل نہیں تارکی ہی رہے
گی۔ گرو کے بغیر انسان کے اندرون روشنی ہو ہی نہیں سکتی۔

بزرگوں کے ایسے فرامین کی روشنی میں یہ بات کہ روحانیت کے میدان میں علم معرفت
سیکھنے کے لئے، تزکیہ نفس کرنے کے لئے گرو کی ضرورت نہیں ہے، کیسی پھسکی اور بے
معنی لگتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ اگر معرفت اور روحانیت کی مشکل اور انجان راہوں پر آپ کو کوئی راہ
دکھانے والے میسر نہیں تو آپ کہیں بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ ایک لا حاصل تلاش کے سوا
کچھ بھی نہ حاصل ہوگا۔ اندر کی بھٹکن باہر کی بھٹکن تک لے جائے گی لیکن اگر باہر کی
بھٹکن دور کرنے اور راہنمائی کرنے والا میسر ہو تو اندر کی بھٹکن بھی دور ہو جاتی ہے اور
انسان ایک ٹھسراؤ میں پناہ لیتا ہے، ”جتنے نہ کوئی چڑھدی نہ لندی اے“ یعنی جہاں مدوجزر
جذبات معدوم ہو جاتا ہے۔

مرشد کامل راستہ بتا دیتا ہے۔ اس کے بعد گرو کی رہنمائی میں اپنی محنت کی باری آتی ہے۔ گرو کی امداد سے تزکیہ کے ذریعے آہستہ آہستہ یوگ کا طریقہ آجاتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ من سکون پانے لگتا ہے اور بالآخر خود ہی سکون بن جاتا ہے۔ پھر تو یہ حالت ہوتی ہے کہ جب چاہا من کو سنسار سے جوڑ دیا اور جب چاہا اسے سنسار سے ہٹا کر پھر آتما میں غرق کر دیا۔

جس طرح کوچوان اپنے تربیت یافتہ گھوڑے کو مرضی کے مطابق تانگے میں جوت لیتا ہے، جب جی چاہے چلاتا اور کھڑا کرتا ہے اور گھوڑا بخوبی اپنے مالک کا حکم بجا لاتا ہے، بالکل اسی طرح یوگ کے ذریعہ تربیت یافتہ من کا حال ہوتا ہے۔ تزکیہ نفس سے قابو میں کیا ہوا من اپنے مالک کے حکم کے مطابق دنیا میں برتاؤ رکھتا ہے۔ پھر حکم ملنے پر بلا چوں و چرا سنسار سے ہٹ کر آتما میں محو ہو جاتا ہے اور روحانی طماینیت کا حظ اٹھاتا ہے۔ اس کو ہم تزکیہ نفس کہتے ہیں۔ جب حضرت بابا بھے شاہ کو ریاضت کرتے ہوئے یوگ سہل ہو گیا تو انہوں نے فرمایا۔

بلھیا ! رب دا کی پاوناں

ایتھوں پٹ تے اوتھے لاؤناں

یعنی پرماتما کو پالینا کوئی مشکل کام نہیں، فقط من کو دنیا کے تھنہنہوں اور لگاوت میں سے نکال کر پرماتما میں جوڑنے کی ضرورت ہے۔ اس سے پرماتما مل جاتے ہیں۔ یوگ میں مہارت حاصل کر لینے والے کے لئے واقعی ایسا کرنا کھیل بن جاتا ہے۔ مگر عام آدمیوں اور طالب کے لئے یہ کام ایسا آسان کسی طور نہیں۔

یوگ کی وضاحت کرتے ہوئے شری یاگیہ و لک جی رشی فرماتے ہیں۔

جیو آتما۔ پرماتما۔ سن۔ یوگو۔ یوگا

ترجمہ: انسان کی آتما کو پرماتما کے ساتھ جوڑنے کا نام یوگ ہے۔ جب آتما پرماتما میں

مل جاتی ہے۔ اس کیفیت کو، اس حالت کو یوگ کہتے ہیں۔ غالباً یہی کیفیت حسین بن

منصور حلاج کی تھی جس نے ”انا الحق“ کا نعرہ لگایا، لیکن سرزمین عرب کا باسی ہونے کی وجہ

سے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا، کیونکہ وہاں یہ نعرہ کہ میں خدا ہوں، یا خدا مجھ میں سما گیا ہے،

ایک اجنبیت اور مجرمانہ احساس لئے ہوئے تھا۔

تو ہم کہہ رہے تھے کہ یوگ کی حالت میں من کی تمنائیں، ترنگیں، خواہشات، سب کی

سب فنا ہو جاتی ہیں۔ من شانت ہو جاتا ہے، جیسے تالاب میں ٹھہرا ہوا پانی۔ اس حالت میں

من کی حالت ویسے کی اس لو کی مانند ہوتی ہے جو ہوا کے جھونکوں سے محفوظ جگہ پر
مسلل اور ایک ہی حالت میں جلتی ہوئی روشنی دیتی ہے۔

یوگ کی حالت میں من شیشے کی مانند ہموار اور شفاف، برف کی مانند ٹھنڈا ہو جاتا

ہے۔

www.kitabosunnat.com

ضبط نفس کا طریقہ

من کے آتما میں محو ہو جانے کا نام ہی یوگ ہے۔

چنانچہ پانچ تہل یوگ شاستر میں آیا ہے:

یوگش۔ چت۔ برتی۔ نرودہار

یعنی من کی لہروں کو روکنے کا نام یوگ ہے۔

گیتا کے چھٹے باب میں بھگوان فرماتے ہیں:

”اے ارجن! نہ تو بہت کھانے سے اور نہ فاقوں مرنے سے، نہ بہت سونے اور نہ

بہت زیادہ جاگنے سے یوگ حاصل ہوتا ہے۔“ بلکہ

یکت۔ آہار۔ وہارسیہ۔ یکت۔ چیشیشٹیہ۔ کرم۔ سو۔

یکت۔ سوپن۔ آد۔ بودھیہ۔ یوگو۔ بھوتی۔ دکھ ہا

ترجمہ: کھانے، پینے، سونے، جاگنے اور دوسرے کام کاج، غرضیکہ زندگی کے سارے

کاروبار میں مناسبت اور اعتدال پیدا کرنے کا نام یوگ ہے اور اس سے سب دکھ درد مٹ

جاتے ہیں۔

اس اشلوک سے عیاں ہے کہ ضبط نفس کے لئے انتہا پسندی کی زندگی غیر ضروری بلکہ

نامناسب ہے۔ اعتدال کی زندگی سے ہی یوگ حاصل ہوتا ہے۔ بھگوان بدھ بھی جب کئی

سال کی کٹھن ریاضتوں سے نیم جان ہو کر گر پڑے تو اٹھ کر انہوں نے کھانا کھایا اور اس

ریاضتوں اور فاقہ کشی کے طریقے کو ترک کر کے معتدل زندگی شروع کی۔

لہذا بالکل نہ کھانا یا بالکل نہ سونا یوگ کے لئے مضر ہیں۔ اسی طرح بہت زیادہ کھانا اور

سونا بھی یوگ کے لئے نقصان دہ ہے۔ مناسبت سے کھانا اور اعتدال کے ساتھ ہی دوسرے

کام کرنا یوگ حاصل کرنے کا اچھا طریقہ ہے۔ قدیم ہندوستان میں ہندو یوگی اپنے کوئی ہاتھ

یا ٹانگ وغیرہ ایک ہی حالت میں رکھ کر بالکل سکھا دیتے تھے، لیکن پھر بھی ان کے اندر کی

بھسکن دور نہیں ہوتی تھی۔ مہاتما بدھ نے ان یوگیوں والا طریقہ چھوڑ کر اعتدال سے کھایا،

پیا اور مناسبت کے ساتھ دوسرے کام کرتے ہوئے غور و تفکر اور مراقبہ شروع کیا تو اس کے

نتیجے میں انہیں عرفان ذات (نروان) نصیب ہوا اور وہ ”بدھ“ ہو گئے۔ بدھ یعنی دانشمند۔ جاگا ہوا۔

اوپر دیئے گئے اشلوکوں سے یہ بھی واضح ہے کہ گھربار چھوڑنا یا جنگلوں میں جا کر رہنے لگنا بھی دھرم کے سراسر خلاف ہے۔ چنانچہ بھارت بھوشن پنڈت مالویہ جی اس اشلوک کے بڑے مداح تھے اور ہندوؤں کو زندگی بسر کرنے کا مناسب اور درست راستہ بتانے کے لئے اکثر اپنے لیکچروں اور تحریروں میں اس اشلوک کا حوالہ دیا کرتے تھے تاکہ اعتدال کی زندگی بسر کر کے لوگ سکھ حاصل کریں۔

معجز صاحب نے ان اشلوکوں کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

کم خوری ہے، نہ کم خوابی ریاضت کا اصول
پر خوری سے، نہ پر خوابی سے راحت کا حصول
اعتدال خواب و خور، تفریح و محنت چاہئے
اعتدال فعل میں راحت ہے شاغل کے لئے
خواجہ دل محمد نے ان اشلوکوں کو یوں نبھایا ہے۔

نہ حاصل کرے یوگ بسیار خوار
نہ وہ جس کا ہو بھوک سے حال زار
نہ وہ سو کے جو سیر ہوتا نہیں
نہ وہ بھی جو دن رات سوتا نہیں
ہو یوگی کے ہر کام میں اعتدال
غذا اور آرام میں اعتدال
مناسب ہی جاگ اور مناسب ہی خواب
مثانا ہے یوگ اسکے درد و عذاب

ضبط نفس کا طریقہ بتاتے ہوئے بھگوان کرشن فرماتے ہیں:

آدمی کو چاہئے کہ گوشہ تنہائی میں صاف ستھری جگہ پر آسن لگائے۔ آسن ٹھوس ہو، یعنی ہلے جلے نہیں۔ آسن بہت اونچا نہ ہو، نہ بہت نیچا، اونچی جگہ پر آسن لگانے سے گر پڑنے کا اندیشہ رہتا ہے اور نیچی جگہ پر کیرے مکوڑے بہت ستاتے ہیں۔ وہاں توجہ یک سو نہیں رہ سکتی۔

بیٹھنے کی جگہ پر پہلے نرم گھاس بچھانی چاہئے، اس کے اوپر ہرن کی کھال جو زندگی کو

تقویت دیتی ہے۔ کھال کے اوپر کھدر کا سفید کپڑا۔ ایسے آسن پر بیٹھنا چاہئے کہ سر، گردن اور پیٹھ کی ہڈی کو ایک سیدھ میں اور ایک جگہ پر قائم رکھے۔ اپنی نظر کو صرف ناک کی نوک پر جمایا جائے۔ ادھر ادھر بالکل نہ دیکھا جائے۔ اس وقت کسی قسم کا خوف یا فکر دل میں نہیں لانا چاہئے اور من کی تمام تر نگوں کو زیر کرنے کی کوشش کی جائے، یعنی دنیاوی اور نفسانی خواہشات کو ابھرنے نہ دیا جائے اور دھیان مکمل طور پر پر ماتما میں لگا ہو۔ اس طرح ریاضت (مشق) کرنے سے رفتہ رفتہ من میں لہروں کا پیدا ہونا کم سے کم ہوتا جاتا ہے اور آخر کار ایک ایسی حالت حاصل ہوتی ہے جب من میں کوئی بلچل اور کسی قسم کا اضطراب نہیں رہتا۔ اس وقت من جسم اور سنسار سے سراسر بے تعلق ہو جاتا ہے اور آتما میں محو ہو کر ایک ناقابل بیان طمانیت کو محسوس کرتا ہے۔

(اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پانا بہت مشکل کام ہے۔ یہ چیز صرف پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے لئے کسی کامل گرو کی رہنمائی حاصل ہونی چاہئے۔)

چنانچہ بھگوان کرشن فرماتے ہیں:

یدا۔ دلی۔ یتم۔ چتم۔ آتمنی۔ ایو۔ او ششٹی۔

نہرہا۔ سرو۔ کالمے بھیو۔ یکت۔ اتی اچیتے۔ تدا

ترجمہ: اے ارجن! یوگ کی مشق سے جس آدمی کا من قابو میں آکر آتما میں ٹھہر جاتا ہے، یعنی جب انسان تمام دنیاوی خواہشات کو ترک کر دیتا ہے، ایسا انسان یوگی کہلاتا ہے۔ اس اشلوک کی بابت معجز صاحب فرماتے ہیں۔

ذات کے ادراک میں جب ہو گیا قائم خیال

اور دل سے شوق لذت مٹ گیا تب ہے کمال

ضبط نفس کے بارے میں بھگوان کا اپدیش سن کر ارجن نے کہا:

چنچلم۔ ہی۔ مناہ۔ کرشن۔ پرما تھی۔ بلوت۔ درڑھم۔

تیب۔ اہم۔ مگرہم۔ مینے۔ وابو۔ ایو۔ سد شکر م

ترجمہ: اے بھگوان! یہ تن تو بڑا چنچل ہے اور بہت ہی طاقتور بھی۔ یہ بہکانے اور

ڈرانے والا ہے۔ یہ تو آدمی کو بار بار لذات اور دنیاوی خواہشات کی طرف کھینچ کر لے جاتا

ہے۔ اس کو قابو میں لانا ایسے مشکل ہے جیسے ہوا پر قبضہ جمانا، یعنی ناممکن۔

بہ الفاظ شاعر۔

یہ بھگوان! بے کل ہے پر شور دل

کہ سرکش ہے ضدی ہے منہ زور دل
نہ قابو میں آئے کسی حال میں
ہوا بند ہوتی نہیں جال میں

اس کے جواب میں بھگوان نے فرمایا:

”اے ارجن! اس میں کچھ شک نہیں کہ من بڑا چنچل ہے لیکن یوگ اور ضبط نفس اور ہیراگ کے ذریعہ اسے قابو میں لایا جا سکتا ہے۔ یوگ کی مشق سے اور دل میں ہر وقت بے ثباتی دنیا کا خیال رکھنے سے یہ من بالآخر قابو میں آجاتا اور ایک نقطے پر ٹھہر جاتا ہے۔“
چنانچہ فرماتے ہیں۔

فطرتاً” گو اضطراب ورم ہے اس من کا شعار
بھوتا ہے چوکڑی جب عشق کی پڑتی ہے مار
من جب قابو میں آجائے پھر تو سکون اور راحت ہی راحت ہے۔ ابدی سکھ ہے،
ہمیشہ کی خوشی اور ہمیشہ کی تسکین ہے۔
چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

جس کو اپنے دل پہ قابو اور اطمینان ہے
گرم و سرد رنج و راحت میں اسے عرفان ہے
ہے وہ واصل جس کا دل ہے مرکز علم و سرور
بے تعلق، بے طمع، بے نفس ہے مست حضور
ان جذبات کو خواجہ دل محمد نے یوں ادا کیا ہے۔
ارجن کہتا ہے۔

سکون کا جو مجھ کو سکھایا ہے یوگ
میرے دل کو بھگوان بھایا ہے یوگ
بنا اس کی لیکن نہیں مستقل
کہ چنچل ہے، چنچل ہے، چنچل ہے دل

بھگوان کا جواب

کہا من کے بھگوان نے اے قوی!
دل انسان کا پرشور و چنچل سہی
ہے ویراگ اور مشق میں یہ کمال

دل جائے قابو میں کنتی کے لال
من کو قابو کرنے کے سلسلہ میں سانکھ شاستر میں بھی آیا ہے کہ من ضبط اور ویراگ
(بیراگ) کے ذریعہ ہی بس میں لایا جاسکتا ہے۔
ضبط نفس کی تعریف کرتے ہوئے ایک ہندی شاعر نے کہا۔

کرت	کرت	ابھیاس
جزمت	ہو	سجان
رسی	آوت	جاوت
سل	پڑے	نشان

یعنی لگاتار مشق کرنے سے جاہل بھی عالم بن جاتا ہے۔ اندھے کو آنکھیں مل جاتی
ہیں۔ جیسے رسی کے بار بار آنے جانے سے پتھر کی سل پر بھی نشان پڑ جاتا ہے۔
اسی خیال کا ایک انگریزی زبان میں بھی محاورہ ہے:

"Constant dropping weareth away a stone."

(لگاتار بوند بوند پانی ٹپکنے سے پتھر میں بھی گڑھا پڑ جاتا ہے۔)
لگاتار مشق سے مشکل کام بھی آخر کار سہل ہو جاتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ ہمت نہ
ہارے۔ لگاتار ضبط نفس کی کوشش میں لگا رہے۔ آخر کار یہ چنچل من بھی ایک نہ ایک دن
شانت ہو جائے گا۔

ارجن کا سوال

شری کرشن جی کا اپدیش سن کر ارجن سوال کرتا ہے کہ:
مہاراج! ایک آدمی شردھا والا (عقیدت مند) تو ہے، یعنی پرہاتما کا صدق دل سے
قائل تو ہے، مگر ضبط نفس میں وہ پورے طور پر کوشش نہیں کرتا جس سے اس کا من یوگ
کے راستہ سے ڈگمگا جاتا ہے اور اسے آواگون سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ تو ایسی
صورت میں اس کا کیا انجام ہوتا ہے؟ کیا اس کا وہ تھوڑا بہت کیا کرایا ضبط نفس بھی ضائع
چلا جائے گا؟

ارجن کا سوال سن کر بھگوان فرماتے ہیں:

پارتھ۔ نیو۔ او۔ امنز۔ وفاش۔ تیب۔ دوتیت۔ کھمتی
نہ۔ ہی۔ کلیان۔ کرت۔ کشچت۔ ورکتتم۔ مات۔ کھمتی

ترجمہ: اے ارجن! آدمی ایک جنم میں یوگ کی جو بھی تھوڑی بہت کوشش کرتا ہے وہ کبھی رائیگاں نہیں جاتی، اس کا معاوضہ اگلے جنم میں ضرور ملتا ہے۔ نیکی کا صلہ مل کر ہی رہتا ہے۔ نیکی کرنے والا آدمی کبھی بھی ذلت و رسوائی کا شکار نہیں ہوتا۔ مرنے کے بعد اس کے درجے میں گراوٹ نہیں بلکہ ترقی ہوتی ہے۔

اگلے اشلوک میں بھگوان فرماتے ہیں:

اے ارجن! ایسے لوگ اپنی یوگ کی کمائی کے مطابق ساہا سال سورگ میں رہ کر پھر دھرماتما دولت مند اور باعزت گھرانوں میں یا یوگیوں کے ہاں جنم لیتے ہیں، جہاں سے وہ پھر مکتی کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح آدمی جنم جنم میں کوشش کرتا ہوا بہت سے جنموں کے بعد مکت ہو جاتا ہے۔

وہ دنیا میں پائے جو تازہ حیات
ہوں سب اس میں پچھلے جنم کی صفات
کرے بڑھ کے پہلے سے کسب کمال
کہ تکمیل حاصل ہو، جائے زوال
اسی سابقہ مشق کے زور سے
وہ مقصود کی سمت بہتا چلے
جنم پر جنم لے کے، پائے کمال
کہ حاصل ہو آخر خدا کا وصال

دوستو! بھگوان کے یہ الفاظ کس قدر امید افزا اور حوصلہ بڑھانے والے ہیں، کہ اگر ایک جنم میں نجات حاصل نہیں ہوتی تو مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ ایک جنم میں انسان یوگ کے راستہ پر جہاں تک چلتا ہے دوسرے جنم میں وہ اس مقام سے آگے چلنا شروع کر دیتا ہے۔ جس طرح ایک طالب علم ایک سکول کو چھوڑتا ہے اور اس سکول کا سرٹیفکیٹ ساتھ لے جاتا ہے کہ فلاں جماعت تک تعلیم پائی ہے۔ وہ دوسرے سکول میں جا کر وہ سرٹیفکیٹ پیش کر کے اگلی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے اور اسی طرح پڑھتا پڑھتا پڑھائی کا زینہ عبور کرتا چلا جاتا ہے۔

بالکل اسی طرح یوگ میں ادھورا آدمی جب ایک جنم چھوڑ کر دوسرا جنم لیتا ہے تو اپنی محنت و کمائی کے مطابق اس کے پاس سرٹیفکیٹ موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ پہلے جنم میں حاصل کردہ درجے سے آگے کا سفر شروع کرتا ہے۔

اس لئے پیارے دوستو! اس جنم میں جتنا بھی ہو سکے ضبط نفس کر لو۔ ریاضت کی مشق کرو، نیکی کما لو، اگلے جنم میں اس جنم کی ریاضت اور نیکی کی کمائی ساتھ چلے گی اور اونچا درجہ نصیب ہوگا۔ اگلا جنم موجودہ جنم سے بہر حال برتر ہوگا۔

بھگوان کی لطافت

گیتا کے ساتویں باب کو ”گیان و گیان یوگ“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ شری کرشن بھگوان ارشاد فرماتے ہیں:

متا۔ پرترم۔ نہ۔ انیت۔ کنچت۔ استی۔ دھن۔ جے۔

مئی۔ سروم۔ ادم۔ پروتم۔ سوترے۔ منڑی۔ گنڑ۔ او

ترجمہ: اے ارجن! مجھ سے برتر اور کچھ بھی نہیں ہے۔ میں سب سے افضل ہوں۔

اعلیٰ ہوں۔ یہ سارا سنسار مجھ میں پرویا ہوا ہے۔ جیسے دھاگے میں منکے پروئے ہوئے ہوں۔

بہ الفاظ معجز صاحب۔

جیسے موتی کی لڑی میں تار ہے اک درمیاں

سارے علم میں ہوں طاری اس طرح اور ہوں نہاں

خواجہ دل محمد نے اسے یوں بیان کیا۔

سن ارجن! کہ برتر مری شان ہے

بڑھے مجھ سے، یہ کس کا امکان ہے

پرویا ہے سب کچھ میرے تار میں

یہ ہیرے ہیں جیسے کسی ہار میں

پر ماتما سب سے افضل ہیں۔ اس بارے میں کٹھ اپنشد میں آیا ہے:

پرشات۔ نہ پر م کچت۔ سا۔ کاشٹھا۔ سا۔ پرا۔ گتی

ترجمہ: پر ماتما سے برتر اور کوئی چیز نہیں۔ وہ لطیف سے لطیف ہے۔ گویا لطافت کی انتہا

ہے۔ وہ پر م گتی، یعنی حیات انسانی کے مقصد کی انتہا ہے۔

گیتا کے تیرھویں باب میں بھی آیا ہے۔

سو کشم۔ توات۔ تت۔ اوگے۔ ایم

ترجمہ: پر ماتما کی لطافت انتہا ہے۔ وہ بے حد لطیف ہے۔ اور لطیف ہونے کی وجہ سے

پر ماتما کو جاننا بہت مشکل ہے۔

ساتویں باب میں آگے چل کر بھگوان فرماتے ہیں:

دیوی۔ ہی۔ ایشا۔ گن۔ مئی۔ مم۔ مایا۔ درت۔ لیا۔

مام۔ ایو۔ یے۔ پریدنتے۔ مایا۔ بیتام۔ ترنتی۔ تے

ترجمہ: اے ارجن! یہ میری لطافت بہت زیادہ دل کو لہانے والی ہے۔ اس کو پار کرنا بہت ہی دشوار ہے۔ البتہ جو مری عقیدت حاصل کرتے ہیں وہ اس لطافت میں سے گزر جاتے ہیں۔

کرتیہ کا لکھ یعنی روئے حقیقت سونے کے برتن سے ڈھنپا ہوا ہے۔ جو اپنی چمک سے آنکھوں کو خیرہ کر دینے کی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ اے بھگوان! آپ اس برتن کو ہٹائیں تاکہ ہم حقیقت کو دیکھ سکیں۔

یہاں سونے کے برتن سے مراد بھگوان کی لطافت ہے جو کہ سونے کی طرح دل کش اور دل موہ لینے والی ہے اور اس کا جیتنا بے حد مشکل ہے۔ پر ماتما کے چہرے پر لطافت کا پردہ پڑا ہوا ہے، جو اپنی چمک دھمک سے آنکھوں کو چندھیا اور برہم سے غافل کر دیتی ہے۔ البتہ جس نے اس لطافت پر غلبہ پالیا ہے وہ بہت بڑا بہادر ہے۔

مایا کے متعلق کبیر بھگت جی کا ایک نہایت دلچسپ شعر ہے۔ فرماتے ہیں۔

مایا	تو	ٹھگنی	بھئی
ٹھگتی	پھرے	سنسار	
جس	ٹھگ	نے	ٹھگنی
تس	ٹھگ	کوں	نمساکار

مطلب: مایا (لطافت) ایک زبردست ٹھگنی ہے۔ جو ساری دنیا کو ٹھگتی پھرتی ہے۔ اس آدمی کو سلام جس نے ایسی ٹھگنی کو ٹھگ لیا۔ یعنی جو اس لطافت پر غالب آ گیا ہے، اس آدمی کے لئے بھگوان کا دیدار آسان اور ممکن ہے۔

چار قسم کے بھگت

اس سے آگے بھگوان کا ارشاد ہے:

چتر- ودہا- مہنختے- مام- جنا- سکر تو- ارجن-

آرتو- بگیاسو- ارتھا تھی- گیانی- چہ- بھرت- ارشہ

ترجمہ: اے ارجن! چار قسم کے انسان میرا ذکر کرتے ہیں۔ ایک دکھی، دوسرے میری کھوج کرنے والے، تیسرے غرض مند جو کوئی مراد پوری کرنا چاہتے ہیں اور چوتھے گیانی (عارف)۔

بھگوان کو یاد کرنے والوں کی یہی چار اقسام ہیں۔

ایک تو وہ ہیں جو آگے پیچھے بھگوان کو ہرگز یاد نہیں کرتے مگر جب دکھ درد یا کسی تکلیف اور مشکل میں گرفتار ہو جاتے ہیں تبھی انہیں بھگوان یاد آتا ہے۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جن کو بھگوان کی کھوج اور تلاش ہے۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جو غرض مند ہیں۔ جن کا کوئی مطلب انکا ہوا ہے اور دھن دولت یا اولاد کی غرض سے بھگوان کو یاد کرتے ہیں۔

چوتھے وہ لوگ ہیں جن کو بھگوان کا گیان ہو گیا ہے۔ گیانی یعنی عارف لوگ ہر دم بھگوان کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ جو یاد الہی میں سدا مست و بے خود رہتے ہیں۔

اگلے اشلوکوں میں بھگوان نے فرمایا ہے کہ یہ چاروں بھگت مبارک ہیں مگر گیانی تو مجھے بہت ہی پیارا ہے۔ اور میں گیانی کو بہت پیارا ہوں۔

بہ الفاظ معجز صاحب۔

یاد کرتے ہیں مجھے یہ چار بہر عافیت

غم رسیدہ، طالب دنیا و دین و معرفت

عاشق صادق میرا جو مجھ میں واصل ہو گیا

اس کا میں پیارا ہوں ارجن! اور وہ پیارا میرا

گیانی کے بارے میں خواجہ دل محمد یوں فرماتے ہیں۔

جو گیانی ہے چاروں میں سردار ہے
 مجھی میں وہ یکدل ہے سرشار ہے
 کرے ذات یکتا کی بھگتی سدا
 میں پیارا ہوں اس کا وہ پیارا میرا
 اس مضمون کو گو سوامی تلسی داس جی یوں بیان کرتے ہیں۔

رام بھگت جگ چار پرکارا
 سکرتی چاروں ان آگھ ادارا

مطلب: چار قسم کے بھگت بھگوان کو یاد کرتے ہیں۔ اور چاروں ہی نیک مبارک اور

پاک ہیں۔

جپ ہیں نام جن آرت بھاری
 میں کو سنکٹ ہوویں سکھاری

مطلب: دکھی لوگ جب بھگوان کو یاد کرتے ہیں تو بھگوان ان کا دکھ مٹا کر انہیں سکھ

بخشتے ہیں۔

آگے چل کر تلسی داس جی کہتے ہیں۔

چہوں چتر۔ کہیں نام اوھارا
 گیانی پ بھو ہی و شیش پیارا

مطلب: یہ چاروں قسم کے بھگت مبارک ہیں۔ ان چاروں کے لئے شری بھگوان کا نام

ہی سہارا ہے۔ مگر ان میں گیانی بھگت ہی پر بھو کو بے حد پیارا ہے۔

دکھ میں پر ماتما کو یاد کرنے والوں کی بابت کبیر بھگت جی فرماتے ہیں۔

دکھ میں سمن سب کریں
 سکھ میں کرے نہ کوئے
 جو سکھ میں سمن کریں
 دکھ کا ہے کو ہوئے

اس مضمون کو پر ماتما نے پھر دوسرے پیرایہ میں یوں ادا کیا ہے۔

سکھ کے ماتھے سل پڑے
 جو نام ہر دے تے جائے
 بلہاری وا۔ دکھ کے

مطلب: سکھ ماتھے پر پتھر پڑیں، کیونکہ سکھ کی وجہ سے انسان پر ماتما کو بھول جاتا ہے۔
دکھ پر قربان جاؤں جو ہر وقت آدمی کا دھیان پر ماتما میں لگائے رکھتا ہے۔
مولانا اکبر الہ آبادی کا شعر ہے۔

مقام شکر ہے غافل مصیبت دنیا
اسی بہانے سے اللہ یاد آتا ہے
گوروناک دیو جی بھی فرماتے ہیں۔

دکھ وارو، سکھ روگ بھیا

یعنی سکھ بیماری ہے کیونکہ یہ آدمی کو پر ماتما سے بے خبر کر دیتا ہے۔ دکھ اس بیماری کا علاج ہے، کہ یہ انسان کو پر ماتما کی یاد میں لگاتا ہے۔ دکھ کی اس خوبی کو دیکھ کر بھگوان کے بھگتوں نے اسے سکھ پر ترجیح دی ہے۔

شرمد بھاگوت پران میں آیا ہے کہ جنگ مہا بھارت کے ختم ہونے پر جب شری کرشن جی دوار کا جانے لگے تو آپ نے مہارانی کنتی جی سے کہا کہ اے ماتا! میں اب واپس جانے والا ہوں۔ آپ مجھ سے کوئی ور منگیں۔ اس پر ماتا کنتی نے ور مانگا کہ اے جگت گورو! میری یہ خواہش ہے کہ ہمیں قدم قدم پر تکالیف کا سامنا ہو۔

شری کرشن جی نے کہا، ماتا! یہ تو نے کس قسم کی خواہش کی ہے؟ ماتا نے کہا، کہ جب ہم پر مصیبتیں اور تکالیف آئیں گی تو اس وقت ہمیں آپ یاد آئیں گے۔ اور ہماری پکار سن کر آپ ہماری مدد کے لئے ضرور پہنچیں گے۔ اس سے ہمیں آپ کے درشن ہوں گے۔ اس سے بڑھ کر ہمیں اور کیا چاہئے۔ میں نے خواہش تو دکھ کی کی ہے، لیکن اس خواہش سے مجھے آپ کے درشن نصیب ہو جائیں گے۔

دوستو! اس واقعہ سے اندازہ لگائیے کہ بھگوان کے بھگت اور ایثار کے شیدائی دکھ کو بڑی نعمت سمجھتے ہیں۔ بھگوان سے کچھ مانگتے ہیں تو دکھ اور مصیبت، تاکہ وہ اس کے ذریعہ ہر وقت پر بھو کو یاد رکھ سکیں اور اپنے پیارے کی یاد سے ایک لمحہ بھی غافل نہ رہیں۔

ماتا کنتی نے پھر کہا، کہ جب آدمی سکھ میں ہوتا ہے تو وہ دھن دولت، بیوی بچے، مرتبہ وغیرہ میں مست ہو کر اندھا ہو جاتا ہے اور بھگوان کو بھول جاتا ہے۔ دکھ کی ٹھوکر سے ہی آدمی کا نشہ ٹوٹتا ہے۔

یہ الفاظ شاعر۔

غم جوانی کو جگا دیتا ہے لطف خواب سے
 ساز یہ بیدار ہوتا ہے اسی مضراب سے
 غم نہیں، غم روح کا اک نغمہ خاموش ہے
 جو سرود برہم ہستی سے ہم آغوش ہے

مطلب: عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے انسان کو غم کی ٹھوکری بیدار کر دیتی ہے جس طرح خاموش سارنگی کو مضراب جگا دیتی ہے۔ دراصل غم روح کا ایک خاموش نغمہ ہے۔ جو ہستی کی سارنگی سے یک تار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پر ماتما کے بھگت سکھ کی نسبت دکھ کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ دکھ بھگوان کی بھگتی کراتا ہے اور سکھ آدمی کو بھگوان سے بے رخ کر دیتا ہے۔

آخری وقت کی سوچ، اگلے جنم کی بنیاد

گیتا کے آٹھویں باب میں ارجن سوال کرتا ہے کہ مہاراج! مرنے کے وقت آپ کس طرح جانے جاسکتے ہیں۔

بھگوان جواب دیتے ہیں:

انت کالے۔ چہ۔ مام۔ ایو۔ سمرن مکتوا۔ کلیورم۔

یا۔ پریاتی۔ سا۔ مد بھادوم۔ یاتی۔ نہ۔ استی۔ اتر۔ سنیہ

ترجمہ: اے ارجن! جو آدمی آخری وقت میں مجھے یاد کرتے ہوئے جسم کو چھوڑتا ہے وہ مجھ کو پاتا ہے۔ اس میں کوئی بھی شک نہیں۔

بہ الفاظ خواجہ دل محمد۔

جب انسان جہاں سے گزرتا

مجھے ہی کرنے یاد کرتا ہوا

تو پھر اس میں شک کا نہیں احتمال

اسے مر کے حاصل ہو میرا وصال

آخری وقت میں، مرتے وقت جو آدمی بھگوان کو یاد کرتا ہوا اپنی سانس چھوڑتا ہے، جو اوم، اوم کرتا ہوا جسم سے جدا ہوتا ہو، اسے ضرور نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ بھگوان کو پالیتا ہے۔ برہما میں جذب ہو جاتا ہے۔

اسی بنا پر ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ ”انت متی، سو گتی“

یعنی آخری وقت میں انسان کی جیسی سوچ ہوتی ہے، ویسا ہی اس کو صلہ ملتا ہے۔ مرتے وقت آدمی کا دھیان جس چیز میں لگ جاتا ہے، اگلے جنم میں اسی کو پاتا ہے۔ آخری خیالات کے مطابق ہی اسے پھل ملے گا۔

اگلے اشلوک میں بھگوان فرماتے ہیں:-

”اے ارجن! آخری وقت میں انسان جس جس خیال اور جذبہ کو دل میں رکھتا ہوا جسم

کو خیر یاد کہتا ہے، اسی خیال اور جذبہ کے مطابق اگلا جنم لیتا ہے۔“
 انسان جس جذبے سے اکثر مغلوب رہتا ہے۔ آخری وقت بھی اس کے دل میں وہی
 جذبات اٹھے آتے ہیں۔ نیک آدمی کو آخری وقت میں نیکی، برے آدمی کو برائی، دانی کو
 دان، حریص کو حرص اور کنجوس کو دھن، بھگت کو بھگتی کے خیالات ہی آئیں گے۔
 اس سلسلہ میں تلوچن بھگت کا شعر ہے۔

انت کال جو لچھی سرے
 ایسی چنتا میں جو مرے
 سرپ، یونی دل دل اترے
 اری بائی، گو بند نام مت بسیرے

مطلب: جو آدمی آخری وقت میں دھن اور دولت کو یاد کرتا ہوا مرتا ہے، وہ بار بار
 سانپ کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے بھگوان کو کبھی نہیں بھولنا چاہئے تاکہ ورد خدا
 اتنا پختہ ہو جائے کہ مرتے وقت، عالم نزع میں بھی، آدمی بھگوان کو یاد کرتا رہے اور دوبارہ
 پست یا کم تر جنم لینے سے بچ جائے، بھگوان میں سما جائے۔
 واضح رہے کہ سانپ کو دھن بہت پیارا ہوتا ہے اور عموماً یہ دھینوں کی حفاظت کرتے
 ہوئے دیکھا گیا ہے۔

بھگت جی آگے کہتے ہیں۔

انت کال جو استری سرے
 ویشوا یونی، دل دل اترے
 انت کال جو لڑکے سرے
 سوکریونی دل دل اترے
 انت کال جو مندر سرے
 پریت یونی دل دل اترے

اری بائی گو بند نام مت بسیرے

مطلب: جو آدمی آخری وقت میں عورت کو یاد کرتے ہوئے جسم چھوڑتا ہے وہ بار بار
 کنجری کا جنم لیتا ہے۔ جو آدمی اپنے بچوں کو یاد کرتے ہوئے مرتا ہے، وہ بار بار سور کا جنم
 لیتا ہے۔ جو آدمی حالت نزع میں اپنے مکانات اور مخلوق کو یاد کرتا ہے، وہ بار بار بھوت کا
 جنم لیتا ہے اس لئے پرماتما کو کبھی نہیں بھلانا چاہئے۔ کیونکہ جو آدمی پرماتما کو یاد کرتا ہوا،

اسکا نام لیتے ہوئے جسم چھوڑنے گا، اسکے دل میں بھگوان گھر کر لیں گے اور وہ مکتی (نجات) حاصل کر لے گا۔ وہ تباخ ارواح کے چکر سے ماورا ہو جائے گا۔
ایک شاعر نے ان اشلوکوں کا ترجمہ یوں کیا۔

وقت رحلت یاد میں میری جھکاتا ہے جو سر
مجھ میں بے شک وصل ہوتا ہے وہ قالب چھوڑ کر
یہ سمجھ لے آخری اوم جس کا جیسا ہو خیال
اپنی نیت کے مطابق اس میں ہوتا ہے وصال

ورد خدا

مگر آخری وقت میں پر ماتما خدا تب ہی یاد آسکتا ہے جب زندگی میں بھی اسے ہر دم یاد رکھا جائے اور یاد کرنے کی مشق اتنی پکی ہو جائے کہ بے اختیاری میں بھی منہ سے اوم، اوم ہی نکلے۔ ایسی صورت میں پھر مرتے وقت بھی منہ سے اوم کا لفظ ہی نکلے گا۔ آخری وقت میں بھی پر ماتما کو یاد رکھنا اتنی مشکل بات ہے کہ عام انسان تو کیا اچھے اچھے ریاضت کشوں اور یوگیوں میں سے بھی کسی خوش نصیب کو ہی یہ درجہ میسر آتا ہے۔

چنانچہ اس بارے میں تلسی داس جی فرماتے ہیں۔
کوٹ۔ کوٹ۔ منی۔ پن۔ کراہیں۔

انت۔ رام۔ کہ۔ آوت۔ ناہیں

مطلب: کروڑ ہا منی کوشش کرتے ہیں کہ آخری وقت میں رام کو یاد کرتے ہوئے جسم چھوڑیں، مگر اس وقت ان کے منہ سے رام کا نام ہی نہیں نکلتا۔ یہ تو بڑے نصیب کی بات ہے۔

پیارے دوستو! اگر جنگل میں بیٹھ کر اور دنیا سے لا تعلق کر کے تپسیا اور کشن ریانتیں کرنے والوں کا یہ حال ہے تو عام لوگ کس گنتی میں آتے ہیں بھلا؟ دنیاوی لذات میں پھنسے ہوئے لوگ آخری وقت میں بھگوان میں اپنا دھیان کیسے دھر سکتے ہیں لہذا ضروری ہے کہ انسان ہر وقت بھگوان کا ورد کرے۔ اس کے دھیان میں لگا رہے تاکہ آخری وقت میں بھی وہ بھگوان کو یاد کرتا ہوا اس سے جا ملے۔

اسی لئے بھگوان کرشن جی فرماتے ہیں:

تسمات۔ سرویشو۔ مام۔ انوسمر۔ یدھ۔ چہ

ترجمہ: اس لئے اے ارجن! تو ہر وقت مجھے یاد کر اور جنگ بھی کر۔ اپنے دل اور عقل کا ناٹھ میرے ساتھ جوڑ دے۔ ایسا کرنے سے تو ضرور مجھے پالے گا۔

ہندو مذہبی کتب میں عموماً "ورد پر بھو پر زور دیا گیا ہے۔ یاد حق کی عظمت کے گیت گائے گئے ہیں مگر بھگوت گیتا ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں ورد خدا کے ساتھ ساتھ زندگی کی تنگ و دو میں حصہ لینے، حتیٰ کہ جنگ کرنے کی ہدایت بھی کی گئی۔

آگے چل کر بھگوان فرماتے ہیں:

مام۔ اپیت۔ ہنر جنم۔ دکھ۔ آلیم۔ اشاشو تم۔

نہ۔ اپنو دنتی۔ مہاتما۔ سندھم۔ پرمام۔ گناہ

ترجمہ: اے ارجن! مجھے پا کر مہاتما لوگ اس دکھ بھرے اور فانی جہان میں پھر جنم نہیں لیتے۔ یعنی ہمیشہ کے لئے مجھ میں سما جاتے ہیں۔ یہ دنیا دکھ سے الٹی ہوئی ہے۔ اس میں پر بھو بھکتی عشق الہی سے بڑھ کر اور کوئی کام ہے ہی نہیں تاکہ دکھ بھرے اس سنسار سے نجات پا کر آدمی سکھ روپ بھگون میں سما سکے۔

کٹھ اپشد میں آیا ہے کہ جس طرح شدھ جل (پاکیزہ صاف پانی) میں شدھ جل مل جاتا ہے۔ اس طرح شدھ آتما بھی پر ماتما میں سما جاتی ہے۔ جنم مرن کے چکر سے کمت ہو جاتا ہے۔

سکھ منی صاحب میں گورو ارجن دیو جی فرماتے ہیں۔

جیوں	جل	میں	جل	آئے	کھٹانا
تیوں	جوتی	سنگ	جوت	سہانا	
مٹ	گئے	گون	پایا	بیرام	
نانک	پر بھ	کے	صد	قربان	

مطلب: جیسے پانی میں پانی اور روشنی میں روشنی مل جاتی ہے، ویسے ہی نجات یافتہ آتما پر ماتما میں مل جاتی ہے اور آواگون کا چکر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ انسان اس صورت میں لافانی ہو جاتا ہے۔

پیارے بھائیو! اس جنم مرن کے چکر سے چھوٹنے کے لئے اگر کوئی آسان سے آسان طریقہ ہے تو وہ ورد خدا کا ہے۔ یاد حق کا طریقہ ہی سب سے سہل اور افضل ہے۔ اس لئے مناسب بلکہ ضروری ہے کہ ہر وقت ورد خدا کر کے، یاد حق میں محو ہو کر اپنے اس انسانی جنم کو کامیاب بنائیں۔ معجز صاحب کا فرمان ہے۔

اسم اعظم اوم کا جو ذکر کرتا ہے مدام
کوچ کر کے جسم سے پاتا ہے وہ اعلیٰ مقام
دم بہ دم تا وقت آخر جس کو میرا دھیان ہے
مجھ سے ملنا ایسے مشاغل کے لئے آسان ہے

مجھ میں واصل ہو چکا تکمیل سے جو شغل ہے
وارفانی کو نہیں ہوتی ہے اس کی واپسی

حصول خدا

بھگوت گیتا کے نویں باب کو حصول خدا (راج ودیا) کہتے ہیں، کیونکہ اس باب میں برہم ودیا (Theology) کی وضاحت کی گئی ہے۔ جو کہ تمام ودیاؤں ((Logies- علمیات) سے برتر ہے۔ تمام علوم کا راجہ ہے۔ اس باب میں معرفت کے دقیق راز بتلائے گئے ہیں۔ برہم کو حاصل کرنے کا طریقہ بتا دیا گیا ہے۔

بھگوان فرماتے ہیں :

”اے ارجن! میرے نظر نہ آنے والے، باطنی روپ سے یہ سارا جگت بھرا ہوا ہے، یہ سب جاندار میرے ہی آسرے پر ہیں، میں ان کے آسرے پر نہیں۔ تمام رنگ و رونق دنیا میرے سے ہے، میں اس سے نہیں۔“

یہ سب جگت بھگوان سے کیسے بھرپور ہے؟ اس کی مثال مذہبی کتب میں برف اور پانی سے دی گئی ہے کہ جیسے پانی سے برف بھرپور ہوتی ہے، اسی طرح بھگوان سے سارا جگت بھرپور ہے۔ جس طرح پھول میں خوشبو ہوتی ہے، جس طرح دودھ میں چکنائی ہوتی ہے، اسی طرح سنسار میں برہم سمایا ہوتا ہے۔

دوسرے یہ سارا جگت بھگوان کے آسرے پر ایسے ہے جیسے ہوا آکاش کے آسرے پر ہوتی ہے۔ جس طرح آکاش ہوا میں سمایا ہوتا ہے، اسی طرح بھگوان سارے جگت میں رچا بسا ہوا ہے۔ مگر بھگوان کا یہ باطنی روپ نظروں سے دکھائی نہیں دے سکتا۔ البتہ چشم بینا سے اندر کی آنکھ سے، بصیرت خودی سے بخوبی نظر آتا ہے۔

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ مایا میں پھنسا ہوا شخص مجھے نہیں جانتا، بلکہ

موگہ۔ آشا۔ موگہ کرمانزو۔ موگہ گیانا۔ وچیت سا۔
راکشسیر۔ آسریم۔ چیو۔ پر کرتم۔ موہنیم۔ شرنا

ترجمہ: ایسے مایا میں پھنسنے ہوؤں کی تمام خواہشات فضول ہیں۔ ان کی تمام خواہشیں بے وقعت ہیں۔ ان کے سارے کام بے فائدہ اور سارا گیان بھی فضول ہے۔ ایسے جاہل

لوگ راکشسی اور شیطانی فطرت والے ہیں۔ شیطانی سیرت والے، یہ شیطانی سیرت ان کو ہمیشہ حرص میں ڈالے اور لذات نفسی میں پھنسائے رکھتی ہے۔ بھگوان کی جانب رجوع ہی نہیں کرنے دیتی۔

مگر اس کے برعکس مہاتما لوگ نیک سیرت ہو کر مجھے دنیا کی بنیادی علت جانتے اور مانتے ہیں۔ میری لافانی اصلیت، جو جہان کی علت اول ہے، بخوبی سمجھتے ہیں اور یہ سب باتیں جانتے ہوئے، ایسا سمجھتے ہوئے یکسوئی سے میرا ذکر کرتے ہیں۔
خواجہ دل محمد صاحب نے ان اشلوکوں کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

عبث ہیں امیدیں عبث ہیں عمل
عبث علم ان کا، سمجھ میں خلل
طبیعت میں دھوکا بھی وحشت بھی ہے
بھری شیطنیت بھی، خباثت بھی ہے
وہ انساں، بڑی جن کی ہے آتما
وہ ہیں نیک فطرت، جو ہیں دیوتا
کریں قلب یک سو سے پوجا میری
میں ہوں لافنا منبع زندگی

آگے چل کر بھگوان فرماتے ہیں۔

یانتی۔ دیو ورتا۔ دیوان۔ پتری یانتی۔ پتری ورتا۔

بھوتانی یانتی۔ بھوتے جیا۔ یانتی۔ مد۔ یا جنو۔ اپی۔ مام

ترجمہ: اے ارجن! آدمی جس کی پوجا کرتا ہے خود بھی ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ دیوتاؤں کو

پوجنے والے دیو لوک، یعنی دیوتاؤں کی دنیا پاتے ہیں۔ پتروں یعنی بزرگوں کی ارواح کو پوجنے

والے بزرگوں کی روجوں والی دنیا میں جاتے ہیں۔ بھوت پرتیوں کو پوجنے والے بھوت

پرتیوں کو پہنچتے ہیں۔ اور اے ارجن! میرا بھجن کرنے والے مجھے پاتے ہیں۔

بقول شاعر۔

منائیں جو پتروں کو پتروں تک آئیں

جو بھوتوں کو پوجیں وہ بوتوں کو پائیں

صنم کے پجاری صنم سے ملیں

ہمارے پرستار ہم سے ملیں

اس لئے آدمی کو چاہئے کہ ہر وقت میری ہی عبادت کرے۔ میری بھگتی کرے۔ بھگوان کی بھگتی کرنے والا آدمی بھگوان میں ہی سما جاتا ہے۔ اور جنم مرن کے چکر سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ جاتا ہے۔

اگلے اشلوک میں کہتے ہیں۔

یت۔ کروشی۔ پت اشناسی۔ پت جہوشی۔ دداسی یت۔

یت۔ تپسی۔ کوشی۔ تت۔ کرشو۔ مد۔ راپنم

ترجمہ: اس لئے اے ارجن! جو کچھ تو کرے، جو کچھ کھائے، جو کچھ بھینٹ اور دان کرے اور جو ریاضت کرے، ان سب کو میری نذر کر دے۔ اس سے میری عبادت ہوگی۔ شاعر نے کہا ہے:

فقط میری خاطر تو ہر کام کر

ہوں، دان دے سب میرے نام پر

تیرا کھانا پینا ہو میرے لئے

تیرا تب سے جینا ہو میرے لئے

جو شخص کوئی کام کرتے سے یہ خیال کرتا ہے کہ اس کام کو بھگوان کی نذر کرنا ہے، وہ بھلا پاپ کیا کر سکے گا۔ وہ تو ہمیشہ نیکی ہی کرے گا تاکہ ان نیک کاموں کو بھگوان کی نذر کر کے سرخرو ہو سکے۔

اس باب کا آخری اشلوک ہے:

من منا۔ بھو۔ مد بھکتو۔ مد بچی۔ مام۔ نمسکو۔

مام۔ ایو۔ اشپسی۔ یکت۔ ایوم۔ آتما نم۔ مت۔ پراٹینزا

ترجمہ: اے ارجن! تو مجھ میں دل لگا، میری بھگتی کر۔ میرے لئے ہی بھینٹ اور قربانی کر۔ تو مجھے نمسکار کر۔ میرے شرلوں میں آکر اپنی آتما کو میرے ساتھ جوڑ۔ تو مجھے ہی پائے گا۔ اس میں ذرہ بھی شک نہیں۔

بعض عالم اس اشلوک کو گیتا کا بہترین اشلوک گردانتے ہیں۔

بقول شاعر۔

مجھ میں اپنا دل لگا اور مجھ کو سچا مان لے

میری خاطر کر ریاضت مجھ کو مالک جان لے

نقد ہستی کر مجھے تفویض، تو ہو جا فنا
مجھ میں واصل ہوگا، میرے قول پر ایمان لا

نور جمالی

دسویں باب میں بھگوان اپنی جلال و عظمت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اہم۔ سروسیہ۔ پر بھوو۔ متا۔ سروم۔ پرورتے۔

اتی۔ متوا۔ مھتے۔ مام۔ بدھا۔ بھاو سمن۔ دتا

ترجمہ: اے ارجن! میں سب کا پیدا کرنے والا ہوں اور مجھ سے ہی سارا کارخانہ کائنات چل رہا ہے۔ مجھے ایسا جان کر گیانی لوگ دل سے میرا ذکر کرتے ہیں۔ اس طور مجھے سمجھ کر عارف میری عبادت کرتے ہیں۔

بہ الفاظ شاعر۔

سب کا میں آغاز ہوں اور مجھ سے ہے سب کا ظہور

یہ سمجھ کر یاد کرتے ہیں مجھے اہل شعور

جو عقیدت مند مجھ پر ہیں دل و جان سے فدا

جن کو دائم مشغلہ ہے میرے ذکر و فکر کا

دل سے میری بندگی کرتے ہیں جو صبح و مسا

علم عرفاں ان کو بہر وصل کرتا ہوں عطا

بھگوان فرماتے ہیں کہ میرے جلووں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ خاص خاص جلووں کا ذکر

تیرے لئے کرتا ہوں۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

اہم۔ آتما۔ گڑا کیش۔ سرو بھوت۔ آشے۔ ستھتا۔

اہم آوت۔ مدھیم۔ چہ۔ بھوتا نام۔ انت۔ ایو۔ چہ

ترجمہ: اے ارجن! سارے جانداروں کے اندر موجود آتما میں ہوں۔ کائنات کا شروع

وسط اور آخر بھی میں ہی ہوں۔

بہ الفاظ شاعر۔

مجھ سے سن اب تذکرہ تو میرے خاص اعجاز کا
میرے جلوؤں کی نہیں ہے یوں تو کوئی انتہا
اے دلاور! سب کے باطن پر تسلط ہے میرا
ابتداء وسط و آخر ہوں میں کل اجسام کا
اگلے اشلوکوں میں بھگوان اپنی جلال و عظمت کا ذکر یوں کرتے ہیں۔
”جیوتی شام۔ روی۔ انشومان“

روشنیوں میں میں کرنوں والا آفتاب ہوں، جو کہ روشنی والوں میں سرتاج ہے۔ میں
اشیائے بر نور میں آفتاب۔
”لکشتر۔ انشرام۔ اہم۔ ششی“

ستاروں میں میں ماہتاب ہوں۔ چاند ستاروں کی ملکہ ہے۔ میں منازل میں تاروں کے
میں چاند ہوں۔
”دیوانام۔ اسمی۔ واسوا“

دیوتاؤں میں میں سب دیوتاؤں کا راجہ ایندر ہوں۔ میں دیوتاؤں میں ایندر ہے نام۔
”ایندریا نام۔ منش چاسمی“
حسوں میں میں من ہوں جو کہ تمام حسوں کا راجہ ہے۔ میں حسوں میں ہوں ”من“ مجھ کو
پہچان تو۔

”مہرشی نام۔ بھرگو۔ اہم“
مہارشیوں میں میں بھرگو مہارشی ہوں، جو کہ سب رشیوں سے افضل ہیں۔ میں بھرگو
ہوں میں رشیوں کا سردار ہوں۔
”گرام۔ اسمی۔ اکشم“

الفاظ میں میں ”اوم“ لفظ ہوں۔ جو سب لفظوں سے برتر ہے۔ میں سخن میں سخن حرف
اونکار ہوں۔
”ستھاور انام۔ ہمالیہ“

غیر متحرک چیزوں میں میں پہاڑ ہمالیہ ہوں۔ اور ہمالیہ تمام پہاڑوں میں سب سے اول
نمبر پر ہے۔ جو محکم ہیں ان میں ہمالہ ہوں میں۔
بہ الفاظ معجز صاحب۔

راج رشیوں میں ہوں بھرگو، اکشوں میں ہوں اکار

کوہساروں میں ہمالہ، مشغلوں میں ذکر یار
 ”زرا نام۔ چا۔ نراد ہیم“

انسانوں میں میں راجہ ہوں۔ جو انسان ہیں ان میں شہر بے عدیل۔
 ”دھنیو نام۔ اسی۔ کام دھک“

گایوں میں میں کام دھنیو گائے ہوں۔ میں گایوں میں ہوں کام دھک بیگماں۔
 ”یما۔ سنہم۔ تام۔ اہم“

حکمرانوں میں یم راجہ یعنی ملک الموت ہوں، جو راجاؤں کا بھی راجہ ہے۔ میں دنیا کے
 فرمانرواؤں میں یم۔

”مرگا نام۔ چا۔ مرگ اندور۔ اہم“

جانوروں میں میں شیر ہوں۔ میں شیر ہر سب درندوں میں ہوں۔
 بھگوان آگے فرماتے ہیں:

”راما۔ شتر۔ بھرتام۔ اہم“

ہتھیار اٹھانے والوں میں میں شری رام ہوں۔ میں ہوں اہل شمشیر میں رام خود۔
 ”سروت۔ سام۔ اسی۔ جانھوی“

ندیوں میں میں گنگا ہوں۔ ندیوں میں گنگا مجھے مان تو۔
 ”ادھیاتم۔ ودیا۔ ودیا نام“

یعنی ودیاؤں (علوم) میں میں برہم ودیا (علم معرفت) ہوں۔ میں علموں میں ہوں علم
 ذات اے عقیل۔

”مرتیو۔ سرو۔ ہرش۔ چاہم“

سب کی موت میں ہوں۔ قضا ہوں جو کرتی ہے سب کو فنا۔
 ”او۔ بھوا۔ بھوشیہ تام“

آنے والوں کی میں پیدائش ہوں۔ نئی زندگی کی ہوں میں ابتدا۔
 ”گاتری۔ چھند۔ سام۔ اہم“

گائے جانے والی شاعری میں میں گاتری کے شعر ہوں۔
 ”ماسا نام۔ مارگ شیر شو۔ اہم“

مہینوں میں میں ماگھ کا مہینہ ہوں۔ یہ مہینہ سب مہینوں میں افضل سمجھا جاتا ہے۔ اس
 میں عقیدت مندی کا صلہ ملتا ہے۔

”رتو نام۔ کسم۔ آکرا“

”موسموں میں میں بسنت ہوں۔ میں مہینوں میں ہوں منگسر، موسموں میں ہوں بہار
”تجس۔ تجسوی نام۔ اہم“

جاہ و جلال والوں کا جلال میں ہوں۔ جلال ان کا جن میں ہے جاہ و جلال
”بے او۔ اسمی۔ وے و سا یو۔ اسمی“

میں نصرت پانے والوں کی نصرت ہوں۔ ارادہ کرنے والوں کا ارادہ ہوں۔
ارادہ بھی میں، فتح و نصرت بھی میں
جو صادق ہیں ان کی صداقت بھی میں
”وندو۔ دم تیا۔ اسمی“

راجہ کی سزا دینے کی طاقت یعنی قہار اور جبار بھی میں ہوں۔
”نیٹی۔ اسمی۔ جگ۔ ایشتام“

جینے کی خواہش کرنے والوں کی حکمت عملی میں ہوں۔
جو حاکم ہیں میں ان کی تعزیر ہوں
جو فاتح ہیں میں ان کی تدبیر ہوں
”گیاتم۔ گیان۔ و نام۔ اہم“

گیانیوں کا گیان میں ہوں۔ عارفوں میں معرفت میں ہوں۔

میں رازوں میں ہوں خامشی پردہ پوش
میں ہوں گیان ان کا جو ہیں علم کوش
اسی طرح اپنی جلال و عظمت کا ذکر کرتے ہوئے بھگوان فرماتے ہیں۔
یت۔ یت۔ و بھوتی مت۔ ستوم۔ شرمسد۔ اور۔ تہ۔ ایو۔ وا۔

تت۔ ایو۔ اوکچھ۔ توم۔ مم۔ تہ۔ انش۔ نیبوم

ترجمہ : اے ارجن! دنیا میں جو جو بھی طاقتور ہیں، جلال والے ہیں، شان و شوکت
والے ہیں۔ ان سب کو میرے جلال کے ایک عشر عشر سے پیدا ہوا سمجھ۔

یہ الفاظ خواجہ دل محمد۔

نظر آئے قوت نہیں یا جلال
شکوہ و جہل کہ حسن و جمال
سمجھ لے کہ اس میں ہے جلوہ قلین

میرے بیکراں ڈر کی ایک کرن

اس باب کے آخر میں یوں فرماتے ہیں:

”اے ارجن! زیادہ جان کر تم نے کیا لینا ہے۔ اس سارے جہاں کو میں اپنے ایک

جزو سے تخلیق کر کے موجود ہوں۔“

مجھلا” کہتا ہوں میں اب چھوڑ کر طول کلام

میرے اک زرے میں ہے اس سارے عالم کا قیام

جلوۂ حق

گیارہویں باب کو دید جلوۂ حق کہا گیا ہے۔ ارجن کی درخواست پر بھگوان کرشن اسے اپنا جلوہ دکھاتے ہیں۔ اس جلوے کو ”وشو سروپ“ بھی کہتے ہیں، یعنی وحدت میں کثرت کا جلوہ۔

مہاتما گاندھی جی اپنی کتاب ”انا سکتی یوگ“ میں رقمطراز ہیں کہ یہ باب معتقدین کو بہت عزیز ہے۔ اس میں دلائل نہیں بلکہ صرف شاعری ہے اور اگر آدمی گھنٹوں تک اس باب کا پانچھ کرتا رہے پھر بھی نہیں تمکتا۔

ارجن بھگوان کرشن سے التماس کرتے ہیں:

”اے بھگوان! آپ خود کو جیسا بیان کرتے ہیں، میں مانتا ہوں اور یہ سچ ہے کہ آپ بالکل ویسے ہی ہیں، لیکن اے بھگوان! اے سب سے افضل، میں آپ کے خدائی روپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“

یہ الفاظ شاعر۔

آپ نے اپنی حقیقت جیسی فرمائی بیاں
ویسے ہی ہیں آپ بے شک یہ مجھ پر ہوا عیاں
ذات پاک اور قادر مطلق کرم فرمائیے
جلوہ اپنی قدرت کامل کا اب دکھلائیے
گر میں لا سکتا ہوں تاب دید خورشید جمال
تو مجھے دکھلائیے اپنا ظہور جلال

ارجن کی یہ درخواست سن کر شری بھگوان کرشن گویا ہوئے:

”اے ارجن! میرے سینکڑوں اور ہزاروں، کئی طرح کے، کئی رنگوں اور شکلوں والے نورانی روپ تو دیکھ۔ اس میرے جسم میں ایک جگہ پر قائم ہوئے متحرک و ساکن سارے

جہاں کو دیکھ۔ اور بھی جو کچھ تو دیکھنا چاہتا ہے سو دیکھ لے۔“
معجز صاحب کے الفاظ میں۔

ہوش کر اور دیکھ ارجن! میرے جلوے بے درنگ
بے عدد، بے انتہا، نادر، عجائب رنگ رنگ
دیدنی جو کچھ ہے ساکن اور متحرک نظام
دیکھ مجھ میں ساری موجودات عالم کا قیام
ان اشلوکوں کا ترجمہ خواجہ دل محمد صاحب نے بہت عمدہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

کر ارجن نظر دیکھ میرے سروپ
میرے سینکڑوں اور ہزاروں ہیں روپ
میری پاک ہستی کے نیرنگ دیکھ
نئے روپ دیکھ اور نئے ڈھنگ دیکھ
تو بھارت کے فرزند! سب دیکھ لے
جو دیکھا نہیں تو نے اب دیکھ لے
جو کچھ چاہے تو دیکھ تن میں میرے
جہاں سب ہے ارجن! بدن میں میرے
ہیں سارا عالم نمودار دیکھ
تو ساکن بھی دیکھ اور سیار دیکھ

اگلے اشلوک میں بھگوان پوں فرماتے ہیں:

نہ۔ تو۔ نام۔ تکسے۔ درشم۔ انین۔ ایو۔ سو۔ پنلشہشا۔

دویم۔ دواہی۔ تے۔ پنکشو۔ پشیہ۔ ے۔ یوگم۔ ایشورم

ترجمہ: لیکن اے ارجن! ان اپنی بیرونی (ظاہری) آنکھوں سے تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔
اس لئے میں تجھ کو اندر کی آنکھ، چشمِ بینا عطا کرتا ہوں۔ لاہوتی آنکھ بخشنا ہوں۔ تو میرے
اس جلال اور قوت کو دیکھ لے۔

چشمِ ظاہر سے نہیں تو دیکھ سکتا ہے مجھے

اس لئے دیتا ہوں چشمِ معرفت ارجن تجھے

بہ الفاظ خواجہ دل محمد صاحب۔

میری دید گر تجھ کو منظور ہے

تیری آنکھ کا کب یہ مقدور ہے
 میں دیتا ہوں تجھ کو خدائی بھر
 میرے اس شہی یوک پر کر نظر
 صاحبان! بھگوان ظاہر کی آنکھ سے نظر نہیں آسکتے۔ ان کو دیکھنے کے لئے تو معرفت کی
 آنکھ درکار ہے۔

یہی بات کہیں اپنشد میں بھی یوں آئی ہے:
 یت۔ پکشوشا۔ نہ پشیتی۔ ملین۔ پکشونشی۔ پشیتی۔
 تت۔ ایو۔ برہم۔ توم۔ ودھی۔ نہ اوم۔ یت۔ اوم۔ اپاستے
 ترجمہ: جس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں مگر جس کی بدولت آنکھیں دیکھتی ہیں اس کو تو
 پرماتما جان! وہ پرماتما نہیں، جسے تو پرماتما سمجھے بیٹھا ہے اور جس کی تو عبادت گزاری میں لگا
 ہوا ہے۔

کھ اپنشد کا بھی منتر ہے۔

نہ سندر شے۔ پشیتی۔ روپم۔ اسیہ۔
 نہ پکشوشا۔ پشیتی۔ کپت۔ ایتنم

ترجمہ: پرماتما کا روپ نظر میں نہیں ٹھہرتا، اور نہ ہی آنکھ سے اسے کوئی دیکھ سکتا ہے۔
 صاحبان! اسی خیال کو فارسی کے مشہور شاعر خواجہ حافظ نے یوں ادا کیا ہے۔
 دیدن رونے ترا دیدۂ جاں لے باید
 دین کجا مرتبہ چشم جہاں کین من است
 مطلب: اے خدا! تیرے چہرے کو دیکھنے کے لئے اندرونی، یعنی روحانی آنکھ چاہئے۔
 میری جسمانی اور ظاہری آنکھ میں یہ طاقت کہاں اور اہلیت کہاں کہ تیرہ جلوہ دیکھ پائے۔
 روحانی آنکھ کے سوا، معرفت کی آنکھ بغیر بھگوان کو دیکھنا ناممکن ہے۔
 اسی موضوع پر مولانا روم فرماتے ہیں۔

چشم سر را طاقت دیدن نہ بود
 چشم دل را لائق دیدار کرد

مطلب: بیرونی یا ظاہری آنکھ کو پرماتما کا جلوہ دیکھنے کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے دل کی
 آنکھ کو ہی دیدار کے قابل بنایا گیا ہے۔
 سر علامہ اقبال کا شعر ہے۔

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
 ہو دیکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی
 یعنی جسمانی آنکھ سے بھگوان کو دیکھنے کی کوئی بھی خواہش نہ کرے، دل کی آنکھ کو
 کھولنے سے ہی دیدار الہی ہوتا ہے۔ اس کے بغیر خدا ہمیشہ نظروں سے اوجھل رہے گا۔
 حضرت بابا بلھے شاہ صاحب نے فرمایا۔

جے توں دل دیاں چشماں کھولیں
 ہو اللہ۔ ہو اللہ۔ بولیں
 میں مولا کہہ ماریں چیک
 اللہ شہ رگ تھیں نزدیک

یعنی اگر تو اپنے دل کی آنکھیں کھولے اور پھر ورد خدا کرے تو پھر ”میں مولا“ یعنی
 انا الحق کا نعرہ لگائے گا۔ اللہ تو شہ رگ سے بھی نزدیک ہیں۔ بابا بلھے شاہ بھی وحدت
 الوجودی یا ہمہ اوستی تھے۔ اس مکتبہ فکر کا کہنا ہے کہ خدا انسان کے اندر ہی ہے صرف
 اسے پہچانا درکار ہے۔

گورونانک دیو جی بھی فرماتے ہیں۔

نانک سے اکھیاں بین
 بنھی دسدو، ماپری

مطلب: وہ آنکھیں ہی اور ہیں جن سے پیارا یعنی پر بھو نظر آسکتا ہے۔ کیر بھگت جی
 فرماتے ہیں کہ اگر پر ماتما کے درشن چاہتے ہو تو
 باہر کے پٹ بند کر اندر کے پٹ کھول۔

جلوہ حق (2)

الغرض چشم پینا عطا کرنے کے بعد بھگوان نے ارجن لو اپنا جلوہ دکھایا جس کی تعریف
 یوں بیان کی گئی ہے۔۔۔

آسمان پر اگر ایک ہزار سورج بھی مل کر یک بار چمک انہیں، تو بھی ان کی روتن اس کا
 مقابلہ نہیں کر سکتی۔

فلک پر نکل آئیں سورج ہزار
 بہ یک وقت مل کر ہوں سب نور بار

تو دھندی سے سمجھو تم اس کی مثال
مہا آتما کا تھا اتنا جلال

بھگوان کا نور جلوہ دیکھ کر ارجن بولا، ”اے بھگوان! میں دیکھتا ہوں کہ ساری کائنات اس روپ اندر سمائی ہوئی ہے۔ دیوتا، مہاپنڈت، مہاراش، اہل عقل و دانش سب اس کے اندر موجود ہیں، یہ روپ ہر طرف سے لانا تھا ہے۔ اس کے بے شمار بازو، بے شمار آنکھیں اور منہ ہیں۔ چاند اور سورج جیسی اس کی آنکھیں ہیں۔ اس عجیب اور پر جلال روپ کو دیکھ کر تینوں جہاں حیرت زدہ ہیں۔ بہت سے دیوتا ڈر کے مارے ہاتھ جوڑے کھڑے ہیں اور بھگوان کی حمد و ثنا میں مصروف ہیں۔“

اس وجود پاک میں سب دیوتا ہیں جلوہ گر
اور مخلوقات ہے ہر قسم کی پیش نظر
آپ ہیں بے انتہا شکلوں میں ہر جانب عیاں
بے عدد ہیں آپ کے بازو، شکم، چشم و وہاں
وہ ظہور لائقین آپ کا ہے وقف دید
جس کا اول، درمیان اور خاتمہ ہے ناپدید
زرے زرے میں منور ہے شعاع لا یزال
تینوں عالم کانپتے ہیں دیکھ کر شان جلال

پھر کہا: ”جیسے پانی سے بھری ہوئی ندیاں تیزی سے سمندر کی طرف جاتی ہیں، یا جیسے پتنگوں کے جھنڈ کے جھنڈ جل جانے کے لئے بے اختیاری کے ساتھ جلتی ہوئی شمع پر گر کر جان وارتے ہیں، ویسے ہی دھرت راسٹر کے سپوٹر، ان کی ساری فوج اور ہمیشہ درون آچاریہ، کرن اور ہماری فوج کے بڑے بڑے سورا بھی اس روپ کے منہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ بہت سے شجاع و بہادر اس روپ کے بھیانک جبروں اور دانتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بعضوں کے تو سر بھی کٹے ہوئے ہیں۔“

بہ الفاظ شاعر۔

بحر میں ہوتا ہے جیسے ندیوں کا اختتام
یہ دلاور آتشیں دہنوں میں کرتے ہیں قیام
شمع پر پروانے ہو جاتے ہیں جیسے جاں نثار
موت کے منہ میں داخل حاضر، کارزار

کوردوں کے اقرباء اور ان کے حامی راجگان
 ہمیشہ و درون و کرن، فوج مخالف کے یلاں
 نیز اپنی فوج کے زور آزاد باوقار
 ان دہانوں میں گئے جاتے ہیں سب بے اختیار
 اور نظر آتے ہیں بعضے سر بہت کچلے ہوئے
 تیز دندان کی درازوں میں الگ کئے ہوئے
 دل دھڑکتا ہے میرا اے کرشن! اس کو دیکھ کر
 ایک عالم کانپتا ہے ڈال کر اس پر نظر

پھر کہا: ”مہاراج! آپ کا یہ روپ اور یہ خوفناک نظارے دیکھ کر میں بہت گھبرا گیا
 ہوں۔ میرا دل سخت کانپ رہا ہے۔“ پھر پوچھنے لگا، ”اے مہاراج! ویسے بھیانک اور
 خوفناک روپ والے آپ کون ہیں؟ آپ کے ظہور کا کیا مقصد؟ آپ کو میرا نمسکار ہو۔ میں
 آپ کے اس پر جلال اور ہیبت ناک روپ کی ماہیت جاننا چاہتا ہوں۔“
 اس پر بھگوان گویا ہوئے:

”اے ارجن میں لوگوں کو فنا کرنے والی قضا (موت) ہوں۔ اس وقت ان لوگوں کو
 مارنے کے لئے یہاں آیا ہوں۔ سامنے کھڑی ہوئی فوجوں کے جتنے بھی آدمی ہیں، ان میں
 سے کوئی بھی نہ بچے گا۔ خواہ وہ لڑائی میں حصہ لے یا نہ لے۔“ بقول شاعر۔

میں فرشتہ ہوں اجل کا اور فنا معروف ہوں
 اس گھڑی عالم کے استحصال میں مصروف ہوں
 آج ہر دو فوج میں جتنے بہادر ہیں کھڑے
 وہ بلا کوشش تیری ملک عدم کو جائیں گے۔

”اس لئے اے ارجن! تو اٹھ کھڑا ہو اور جنگ کر، اور اپنے دشمنوں پر فتح پا کر راج
 اور عزت حاصل کر۔ ان کو تو میں نے پہلے ہی مار رکھا ہے، تو تو محض ایک آلہ کار ہے۔“

ٹھان کر لڑنے کی اب تو اپنی شہرت کو بڑھا
 دشمنوں کو زیر کر اور سلطنت کا حظ اٹھا
 ان کو تو میں نے پہلے ہی مرگ تک پہنچا دیا
 تو برائے نام کر سامان ان کی موت کا

یہ الفاظ خواجہ دل محمدؐ بھگوان نے یوں کہا۔

قضا ہوں میں قضا ہوں میں
 کہ درپے فنا ہوں میں
 جہاں کی ہست و بود کو
 مٹانے آ رہا ہوں میں
 یہ سور بیہ لٹکری
 جو تل رہے ہیں جنگ پر
 تو ہو نہ ہو یہ سب کے سب
 ہلاک کر چکا ہوں میں
 تو ارجن اٹھ ہو نیک نام
 دشمنوں کو گھیر کر
 بزور چھین تاج و تخت
 ان کو اپنا زیر کر
 یہ مر چکے یہ مر چکے
 فنا میں ان کو کر چکا
 تو پانڈوؤں کے لال اٹھ
 وسیلہ بن نہ دیر کر

پیارے دوستو! ارجن بھگوان کرشن کا بہت پیارا بھگت ہے۔ بھگوان اس کی مدد کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ تقاضا کرتے ہیں کہ لڑنا اسے خود ہی پڑے گا۔ یعنی کہتے ہیں کہ اے ارجن! جب تک تو خود نہ لڑے گا، میں تمہاری مدد نہیں کروں گا۔ جیت بہر حال تمہاری ہے لیکن اس کے لئے اٹھو اور لڑو۔ لڑے بغیر تجھے جیت حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان اگر خود کوشش نہ کرے، اپنے مقصد کی کامیابی کا انحصار محض اس بات پر رکھے کہ وہ بھگوان کا بھگت ہے، اس لئے بھگوان اس کی خواہش کو پورا کر دیں گے۔ یہ اصول سراسر غلط ہے۔ بھگوان کو بھی وہی بھگت پسند ہوتا ہے، جو جدوجہد کرے۔ بھگوان کو میدان جنگ میں لڑنے والا بھگت پیارا ہے۔ نہ کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھا رہنے والا۔

جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں بھگوان بھی ان کا مددگار بنتا ہے۔

بقول مولانا فاروقی صاحب۔

جدد شرط کار آمد اے عزیز

جدد می کن جدد اگر داری تمیز

مطلب: اے عزیز! کامیابی کے لئے کوشش کرنا شرط ہے۔ اگر تم میں کچھ بھی سمجھ اور فہم ہے تو کوشش کرو، کوشش کرو۔ کوشش کرنے سے ہی کامیابی قدم چومے گی۔ بنا کوشش نہیں۔

پھر آگے چل کر کہتے ہیں۔

بے مساعی کس نہ منزل طے نمود

برسر راہے نشست استی چہ سود

رو قدم برگیر و قطع راہ کن

بعد ازاں منزل بقدر شاہ کن

مطلب: کوشش کے بغیر آج تک کسی کو بھی منزل حاصل نہیں ہو سکی۔ تو جو راستہ کے کنارے بیٹھا ہوا ہے، اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ چل، قدم اٹھا اور راستہ عبور کر اور راستہ طے کر چکنے کے بعد بادشاہ کے محل میں قیام پذیر ہو۔ یعنی پر ماتما کا دیدار حاصل کر، جس میں طمانیت ہی طمانیت ہے۔

المختصر یہ کہ اگر آدمی کوشش کرے تو وہ ضرور اپنے مقصد کو پا لیتا ہے۔ کوشش کے بغیر ہرگز کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ چاہے دنیا میں کامیابی ہو، چاہے روحانیت میں، دونوں صورتوں میں کوشش کرنا لازمی ہے۔ یہ دونوں چیزیں کوشش کرنے والوں کا ہی مقدر ہیں۔ سر علامہ اقبال بھی فرماتے ہیں۔

زندگی جدوجہد است و استحقاق نیست

یعنی زندگی جدوجہد کا نام ہے۔ حق رکھنے کا نام نہیں۔ حقوق بھی اسی کو ملتے ہیں جو کوشش کرتا ہے۔ کوشش نہ کرنے والوں کے بنے بنائے حقوق بھی چھن جایا کرتے ہیں۔ مطلب: یہ کہ اگر کوئی آدمی زبانی طور پر کہہ دے کہ فلاں چیز پر میرا حق ہے اس لئے مجھے ملنی چاہئے تو اس کا یہ دعویٰ فضول اور بے معنی ہے۔ اسے چاہئے کہ جدوجہد کر کے اپنے آپ کو صحیح معنوں میں اس شے کا مستحق بنائے۔ اپنی ہمت سے اپنے حقوق کی حفاظت کرے۔

انگریزی کا محاورہ بھی ہے کہ:

"God help those, who help them selves."

جلوہ حق (3)

آگے چل کر بھگوان فرماتے ہیں، "اے ارجن! میرے جس روپ کو تو نے دیکھا ہے، اس کا درشن ملنا نہایت ہی کٹھن ہے۔ دیوتا بھی اس روپ کو دیکھنے کے لئے ہمیشہ ترستے رہتے ہیں۔ میں نے اپنی رحمت سے اپنی بخشش سے تم کو یہ درشن کرا دیئے ہیں۔ یہ تم پر میری خاص عنایت ہے، خاص کرم ہے۔"

پھر فرماتے ہیں: "اے ارجن! جس طرح تو نے میرے درشن کئے ہیں، ایسے درشن نہایت مشکل سے نصیب ہوتے ہیں۔ یہ ویدوں کے منتر پڑھنا اور ریاضت، دان اور ہمیشہ چڑھانا انسان پر فرض ہے، اور ان فرائض کو ضرور سرانجام دینا چاہئے۔ یہ چیزیں من کو صاف کرنے میں بڑی امداد دیتی ہیں۔ ویدوں کے پاٹھ سے، ریاضت سے، دان دینے سے بھینٹ کرنے سے من کی پاکیزگی تو حاصل ہو جاتی ہے، مگر پر ماتما کے دیدار نصیب نہیں ہوتے۔ کٹھن ضبط نفس کرنے سے ہی دیدار الہی ملتا ہے۔"

جیسا کہ بھگوان اگلے اشلوک میں فرماتے ہیں:

بھکتیا۔ تو۔ انن یا۔ تکیہ۔ اہم۔ ایوم۔ ودھو۔ ارجن۔

گیا تم۔ ور شتم۔ چہ۔ تتوین۔ پرو ششم۔ چہ۔ پرن تپ

ترجمہ: تمہ دل سے میری بھگتی کرنے سے میرا حقیقی روپ جانا جا سکتا ہے۔ دیکھا جا

سکتا ہے اور مجھ میں جذب ہوا جا سکتا ہے۔

جو تمہ دل سے، لگن سے، یکسو ہو کر میری بھگتی کرے گا، مجھ میں دھیان لگائے گا،

میرے ساتھ اپنی روح کا تعلق قائم کرے گا، اسے میرے درشن نصیب ہوں گے۔

بھگوان بولے۔

مجھے تو نے دیکھا ہے جس طور سے

یہی طور ممکن نہیں اور سے

نہ دیدار تپ سے، نہ یگ سے ملے

نہ دان اور نہ ویدوں کے جپ سے ملے

اگر میری بھگتی میں یک سو رہے
میرا گیان ہو اور مجھے دیکھ لے
حقیقت کا عرفان بھی حاصل ہو پھر
میری ذات عالی میں واصل ہو پھر

فیضی صاحب نے اس اشلوک کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

من محو کن خویش را آنچنان
کہ دیگر نہ بنی تو خود را میاں
یعنی اپنے آپ کو مجھ میں اس طرح محو ہو کہ تو خود کو مجھ سے علیحدہ نہ دیکھ سکے۔
فارسی میں ایک اور شعر ہے۔

من تو شدم تو من شدی
من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری

مطلب: شاعر خدا سے کہتا ہے کہ میں تیری عبادت میں ایسا محو ہو جاؤں کہ تو مجھ میں
سا جائے اور میں تجھ میں سا جاؤں۔ میں جسم بنوں تو تو اس کے اندر روح بن جائے تاکہ
کوئی بھی یہ نہ کہہ سکے کہ میں اور ہوں اور تو اور ہے۔ یعنی میں اور تو ایک ہو جائیں۔
سوامی تیرتھ رام جی بھی اسی موضوع پر فرماتے ہیں۔

مجھ میں سا جا اس طرح
تن پران کا جو طور ہے
جس سے نہ کوئی کہہ سکے
میں اور ہوں تو اور ہے

جس طرح تن میں سانس (پران) ہیں، اسی طرح اے بھگوان! میں تجھ میں سا جاؤں۔
مولانا روم نے اس خیال کو یوں بیان کیا۔

از خودی بگذر تایابی خدا
فانی حق شوکہ تایابی بقا

ترجمہ: خودی کو چھوڑ دے۔ یعنی اپنی ذات کو بھلا دے تاکہ تو خدا کو پائے۔ ذات حق
میں فنا ہو جا کہ بقا حاصل ہو۔

مشہور عارف شمس تبریز کا شعر ہے۔

دوئی راچوں بدر کر دم دو عالم رایکے دیدم
یکے بینم، یکے جویم، یکے خوانم، یکے داغم

ترجمہ: جب میں نے دوئی اور غیریت کو مٹا دیا۔ تو دونوں جہانوں میں اسی کو یعنی پرماتما کو دیکھا۔ اسی ایک کو ہی ڈھونڈا، اسی کو ہی دیکھا اور پہچانا۔

کبیر بھگت جی کا شعر ہے۔

پریم گلی اتی ساکڑی
اس میں دو نہ سما ہیں
میں ہوں تو پر بھو ناہیں
پر بھو ہے تو میں ناہیں

یعنی پریم (شوق) کی گلی بہت تنگ ہے، اس میں دو نہیں سما سکتے۔ میں ہوں، تو پرماتما میں، اور اگر پرماتما ہے تو پھر میں نہیں۔ پریم کے کوچہ میں صرف ایک کی جگہ ہے، دو کی نہیں۔

مطلب: یہ کہ جب تک ”میں ہوں“ ہے، جب تک خودی ہے، یعنی اپنی ذات کا احساس ہے، انا ہے، تب تک پرماتما نہیں ملتا۔ جب خودی کا جذبہ اور احساس ذات اور انا ختم ہو جائے تو پھر یوں سمجھنے کہ وہ پرماتما کی آغوش میں ہے۔
اسی لئے تو بھگوان کرشن جی ارجن سے فرماتے ہیں کہ اے ارجن! خودی کو مٹا کر میری بھگتی کر اور مجھ میں سما جا۔

جو میرا طالب فنا ہوتا ہے، مجھ میں عشق سے
جس کی یکساں ہے نظر سب پر، وہ پاتا ہے مجھے

چنانچہ اس باب کے اختتام میں فرماتے ہیں:

نردیرا۔ سرو۔ بھو تیشو۔ یا۔ سا۔ مام۔ ایتی۔ پانڈو

ترجمہ: اے ارجن! جو آدمی میرے لئے ہی اعمال کرتا ہے، میری بھگتی حاصل کرتا ہے۔ جو دنیاوی تعلقات سے آزاد ہے، جو کسی کے ساتھ بھی دشمنی نہیں کرتا، ایسا آدمی مجھے ضرور پالیتا ہے۔

میرا بھگت ہر کام میرا کرے
تعلق کسی سے نہ نفرت اسے

مجھی کو سمجھ لے وہ اپنا کمال

تو ارجن ! وہ پا جائے مجھ سے وصال

تک جی مہاراج اپنی کتاب ”گیتا رہیہ“ میں رقمطراز ہیں کہ اس ایک اشلوک میں ہی ساری گیتا کا خلاصہ آگیا ہے۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ گیتا کی تعلیم یہ نہیں کہ انسان دنیا کو چھوڑ کر اور بیکار بیٹھ کر آرام سے رام رام کا ورد کرتا رہے، بلکہ گیتا کی تعلیم تو یہ ہے کہ بھگتی اور عبادت کے ساتھ ساتھ سرگرمی سے تمام کاروبار زندگی انجام دے۔ مگر کسی قسم کے صلے کی امید رکھے بغیر۔

بھگتی اور عمل کو ایک ساتھ نبھانے والا آدمی ہی مکمل ہوتا ہے۔ صرف زہد و عبادت کرنے والا تو ادھورا ہے۔ حضرت اقبال باہونے بھی کہا ہے کہ۔

جے رب نہاتیاں دھوتیاں ملدا، ملدا ڈڈوواں بھجیاں ہو

جے راب راتیں جاگیاں، ملدا کال کڑچھیاں ہو

جے رب لیاں والا ملدا، ملدا حیدیاں سیاں ہو

جے رب جتیاں ستیاں ملدا، ملدا ڈانڈیاں خصیاں ہو

انہاں گلاں رب حاصل ناہیں، رب ملدا دلیاں بھجیاں ہو

یعنی اگر رب نہانے دھونے اور صاف ستھرا رہنے سے ملتا تو مینڈکوں اور مچھلیوں کو مل جاتا۔ اگر رب راتوں کو جاگ کر عبادتیں اور ریاضت کرنے سے ملتا تو چمگادڑوں وغیروں کو مل جاتا۔ اگر رب بال بڑھا لینے سے مل جاتا تو بھینٹیں چرانے والوں کو مل جاتا۔ اگر رب جتی ستی رہنے (عورت کے پاس نہ جانے) سے ملتا تو خصی بیلوں کو ملتا۔ پس، ان سب باتوں سے رب حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ تو صرف اچھے دل والوں کو ملتا ہے۔

بلھے شاہ نے بھی کتے کو مثال بنا کر کہا ہے کہ وہ روکھی سوکھی کھا کر مالک کا وفادار رہتا ہے اور تو ساری رات جاگ کر عبادت کرتا ہے، پھر بھی کتا تجھ سے بہتر ہے۔

راتیں جاگیں کریں عبادت، راتیں جاگن کتے

تیتھوں اتے

بھگتی حاصل کرنے کی ریاضت

بارہویں باب کو بھگتی یوگ کہتے ہیں۔ اس میں بھگت کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں اور بھگوان کو پالنے کے طریقے درج ہیں۔

بھگوان فرماتے ہیں کہ جو آدمی مجھ میں من لگا کر لگاتار میری بھگتی کرتے ہیں اور مجھ میں مکمل عقیدت رکھتے ہیں، وہ ہمیشہ مجھ میں رہتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں، ”اے ارجن! تو سارے اعمال کو میری نذر کر دے اور سدا میرا دھیان کر اور مجھے ریاضت اور تزکیہ نفس کے ذریعے حاصل کر لے۔ اگر تو مسلسل دھیان اور ریاضت نہیں کر سکتا تو علم کے ذریعہ مجھے حاصل کر۔“

چنانچہ فرماتے ہیں:

مئی۔ ایو۔ من۔ آدحتسو۔ مئی۔ بدھم۔ نو۔ شیہ۔ سش۔ اسی۔ مئی۔ ایو۔ ات۔
اور دھوم۔ نہ۔ سشیہ۔

ترجمہ: اے ارجن! اپنی سوچوں، ذہن اور عقل کو مجھ میں مرکوز کر۔ ایسا کرنے سے تو مجھ میں قیام کرے گا۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

آگے فرماتے ہیں، کہ اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو تزکیہ نفس کے ذریعہ مجھے پانے کی کوشش کر۔ اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو سارے کرم میری خاطر کر اور ان کے صلے کی خواہش چھوڑ دے۔ اپنے اعمال و انفعال میں بے لوث ہو جا اور میری پناہ لے۔ ایسا کرنے سے تو مجھ کو پا جائے گا۔

بہ الفاظ معجز صاحب۔

میرے طالب اپنے سارے کام مجھ پر چھوڑ کر
جان و ایماں کو فدا کرتے ہیں شوق وصل پر
جن کو میرا عشق صادق ہے، انہیں اے نامدار
جلد بحر عالم سے میں کرتا ہوں پار

عقل و دل دونوں کو تو میرے تصور میں لگا
راز کھل جائے گا، تجھ پر منزل مقصود کا

بھگوان فرماتے ہیں کہ تزکیہ نفس کے بالمقابل معرفت برتر ہے۔ معرفت کا درجہ تزکیہ
نفس ہے اوپر ہے اور معرفت و مراقبہ سے بے لوث عمل کرنا افضل ہے کیونکہ اعمال کے
پھل کی فکر چھوڑ دینے سے فوراً شانتی حاصل ہو جاتی ہے۔ جو کہ زندگی کا انتہائی مقصد ہے۔
بہ الفاظ خواجہ دل محمد۔

کہ افضل ہے ابھیاں کرنے سے گیان
مگر گیان سے بڑھ کے ہوتا ہے دھیان
ہے ترک ثمر دھیان سے بھی فزوں
کہ ترک ثمر سے ہو فوراً سکوں

بھگت کے اوصاف

آگے چل کر بھگوان اپنے بھگتوں کی خوبیاں بیان کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ جو آدمی سب جانداروں سے پریم کرتا ہے، سب کا متر (دوست) ہے،
ہے، رحمدل ہے، ممتا اور حرص سے پاک ہے، دکھ تکھ میں یکساں رہتا ہے، دوسروں کی
خطاؤں کو درگزر کرنے والا ہے، جو ہمیشہ اپنا من اور سوچیں مجھ میں لگائے رکھتا ہے، اے
ارجن! ایسا بھگت ہی مجھے پیارا ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ جو آدمی کسی سے نہیں ڈرتا اور نہ خود کسی کو ڈراتا ہے، جو غمی و
خوشی سے بالاتر ہے، جو ہمیشہ خدا کے بھروسہ پر رہتا ہے، اندر اور باہر سے پاک صاف ہے،
جس نے سب اعمال بد کو ترک کر دیا ہے، اے ارجن! ایسا بھگت مجھے عزیز ہے۔

اس کے بعد بھگوان فرماتے ہیں: اے ارجن!

یو۔ نہ۔ ہر شے۔ نہ۔ دو۔ پستی۔ نہ شوچی۔ نہ کالمیتی۔

شبھ۔ اشبھ۔ پرتیاگی۔ بھکتی مان۔ یا۔ سا۔ س۔ پریا

ترجمہ: جو نہ خوش ہوتا ہے، نہ غم کرتا ہے، نہ اسے کوئی فکر لاحق ہوتی ہے، اور نہ

کوئی خواہش رکھتا ہے، ایسا بھگت مجھے پیارا ہے۔

ان خوبیوں کو معجز صاحب نے نظم میں یوں بیان کیا ہے۔

خوف و طیش و رنج سے بری ہے میرا یار
اس کا مسلک صلح کل ہے، وہ ہے سب کا دوستدار
جو بری ہے شوق و نفرت، بیم و امید سے
وہ دوئی سے پاک ہے، اس سے محبت ہے مجھے
جس کی نظروں میں ہے یکساں دوستی اور دشمنی
گرم و سرد و شادی و غم، حرمت و بے حرمتی
یا توکل، بے تعلق، بھجو اور تعریف سے
صابر و آزادہ رو انسان پیارا ہے مجھے
آب حیاں میری اس تقریر کا جس نے پیا
وہ کمال عشق سے محبوب کامل بن گیا

خواجہ دل محمد صاحب نے ان اشلوکوں کا یوں ترجمہ کیا ہے۔

وہ انساں جو سکھ دکھ میں ہموار ہے
جو ہر اک کا ہمدرد و غمخوار ہے
کسی کا نہ پیری ہو، بخشے تصور
خودی سے بھی دور اور تعلق سے دور
وہ یوگی جسے خود پہ ہے اختیار
جو صابر ہے اور عزم میں استوار
دل و عقل جو مجھ پر قرباں کرے
وہی ہے میرا بھگت پیارا مجھے
جو دنیا کو آزار دیتا نہیں
جو دنیا سے آزار لیتا نہیں
ہو گرمی کہ سردی جسے ایک سی
لگن ہو کسی سے نہ جس کی لگی

سکھوں کے نوویں گرو شری گورو تیج بہادر بھگت کی خوبیوں کا یوں تذکرہ کرتے ہیں۔

دکھ، دکھ، جیہہ پر سے ناہیں
 لوہ، موہ، ابھیان
 کو، ٹانگ سن رے منا
 سو، مورت بھگوان
 ہرکھ، سوگ جا کے ناہیں
 ویری، میت سمان
 کو، ٹانگ سن رے منا
 مکت، ناہیں تے جان

یعنی جو شخص دکھ دکھ کا احساس نہیں کرتا، اور جس کا دل لالچ، غرور اور الفت دنیا سے پاک اور عاری ہے، وہ آدمی بھگوان کا روپ ہے اور جس آدمی کی نظر میں خوشی، غم اور دشمنی یکساں حیثیت رکھتے ہیں، وہ زندگی میں ہی نجات حاصل کر چکا ہے۔
 اس باب کے آخر میں بھگوان فرماتے ہیں:

تلیہ۔ نندا۔ ستستی۔ مونی۔ ستشہ۔ تیلین۔ کین۔ چیت۔

انی۔ کیتا۔ ستھرمتی۔ بھگتی مان۔ ے۔ پریو۔ نرا

ترجمہ: جس آدمی کے لئے تعریف اور شکوہ و شکایت یکساں ہیں، یعنی جو ہر دم چلتا تو دھرم کے مطابق ہے، اس پر اگر لوگ شکایت یا تعریف کرتے ہیں تو وہ ان دونوں باتوں سے بے پروا ہے۔ جس آدمی نے زبان پر قابو پا لیا ہے، سوچ سمجھ کر منہ کھولتا ہے، جو ہمیشہ صابر و شاکر رہتا ہے، جس کی عقل ایک مرکز پر ٹھہر گئی ہے، یعنی دکھ سے دکھی نہیں ہوتی۔ اور سکھ یا خوشی پا کر پھولتی نہیں، تو اے ارجن! ایسا بھگت تو مجھے بہت ہی پیارا ہے۔

یہ الفاظ شاعر۔

برابر ہوں جس کے لئے مدح و ذم
 وہ کم گو، نہ جسکو غم بیش و کم
 قوی دل کا، آزاد گھر بار سے
 وہی ہے میرا بھگت پیارا مجھے
 جو کرتے ہیں قائم یہ امرت سا دھرم
 یقین سے جو رکھتے ہیں سینوں کو گرم

جو مقصود اعلیٰ سمجھ لیں مجھے
وہی بھگت ہیں سب سے پیارے مجھے

بھگتی یوگ نامی بارہواں باب یہاں ختم ہوتا ہے۔

حاضر و ناظر لیکن غائب

گیتا کے تیرھویں باب میں جسم و روح کا بھید بتایا گیا ہے۔ جو آدمی اس بھید کو بخوبی جان اور سمجھ لیتا ہے، تو سمجھو کہ اس نے پرماٹما کو بھی جان لیا۔ وہ نجات حاصل کر لیتا ہے۔ یعنی زندگی میں ہی مکتی پا لیتا ہے۔

جسم کا بیان کرتے ہوئے بھگوان فرماتے ہیں کہ مٹی، پانی، آگ، ہوا اور آکاش، ان پانچ عناصر سے مل کر یہ (سبحول) کثیف جسم بنا ہے، جو کہ ہمیں آنکھوں سے نظر آرہا ہے۔ اس کے علاوہ ایک جسم لطیف ہے جو حواس خمسہ، نفس اور عقل سے مل کر بنا ہوا ہے۔ جتنے بھی جسم دکھائی ہمیں دکھائی دے رہے ہیں وہ سب ان ہی چیزوں پر مشتمل ہیں۔

بہ الفاظ خواجہ دل محمد۔

عناصر، اہنکار، عقل محیط
یہ دل، دس حواس، اور یہ فطرت بسیط
یہ آواز، لمس، ذائقہ، رنگ، باس
کریں جن کو محسوس پانچوں حواس
یہ دکھ سکھ بھی، نفرت بھی، ترغیب بھی
خرد، پائیداری بھی، ترکیب بھی
یہ ہیں کھیت اور ان کی تبدیلیاں
انہی کا ہے یہ مختصر سا بیان

اس کے بعد بھگوان قابل اور اک حقیقت یعنی پرماٹما کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بہر۔ اشیاء۔ بھوتانا۔ اچرم۔ چرم۔ ایو۔ چہ۔

سو کشم۔ تو ات۔ تت۔ اوگیم۔ دور سخم۔ چہ۔ انتکے چہ۔ تت

ترجمہ: اے ارجن! وہ پرماٹما سب جانداروں کے اندر بھی ہے اور باہر بھی۔ وہ حرکت بھی کرتا ہے اور قائم بھی ہے۔ سو کشم یعنی لطیف ہونے کی وجہ سے وہ سمجھ میں نہیں

آسکتا۔ وہ دور بھی ہے اور نزدیک بھی۔ حاضر بھی ہے اور غائب بھی۔
اسی طرح انہیں اپنشد کا ایک منتر ہے، جس کا مطلب کچھ یوں ہے کہ:
”وہ پر ماتما حرکت کرتا ہے، اور نہیں بھی کرتا۔ وہ دور بھی ہے اور نزدیک بھی۔ وہ سب
کے اندر بھی ہے اور باہر بھی۔“

فیضی صاحب کے اس موضوع کو یوں نبھایا ہے۔

قریب از قریب و بعید از بعید
با چشم دل اور اباید باید

ترجمہ: پر ماتما نزدیک سے بھی نزدیک اور دور سے بھی دور ہے۔ یعنی ہر جگہ محیط ہے۔
اسے دل کی آنکھ سے ہی دیکھنا چاہئے۔

سوامی تیرتھ رام جی نے اسے یوں موضوع سخن بنایا۔

ہم چل ہیں، ہم چل ناہیں، ہم نیڑے ہم دور
ہم ہی سب کے اندر چائن، ہم ہی باہر نور
معجز صاحب ان اشلوکوں کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

ہر طرف گوش و سرو چشم و دہان و دست و پا
ہیں اسی کے، اور وہ ہے شش، جہت سے رونما
جلوہ گر احساس میں ہے، خود نمبراً از حواس
باہمہ و بے ہمہ، با وصف بیرون از قیاس
ساکن و متحرک و مخفی و ظاہر ہے وہ نور
گو لطافت سے نظر آتا نہیں نزدیک و دور
وہ یگانہ ہے، مگر عالم میں ہے کثرت نما
اس کے رخ کا پرتو ہے، بود و ایجاد و فنا

خواجہ دل محمد کے الفاظ میں۔

اس کے ہیں سب دست و پا چار سو
اسی کا ہے رخ رونما چار سو
اسی کی نظر، کان، سر، ہر طرف
محیط جہاں سر بہ سر ہر طرف
کسی شے میں جنبش، کسی میں سکوں

وہ موجود سب میں دروں اور بروں

آگے چل کر بھگوان کرشن ارجن سے یوں گویا ہوئے:

جیوتی شام۔ اپی۔ تہ۔ جیوتی۔ تمسا۔ پرم۔ اچیتے۔

گیانم۔ گے۔ یم۔ گیان۔ کیم۔ ہرے۔ سروسیہ۔ دستھتم

ترجمہ: اے ارجن! وہ پرما تمنا عین نور ہے، وہ روشنیوں کی بھی روشنی ہے۔ وہ جہالت سے ماورا ہے۔ وہ مجسم گیان اور قابل اور اک ہے۔ علم سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے، وہ بھی پرما تمنا ہے۔ پرما تمنا سب کے من میں بسا ہوا ہے۔

وہی ذات نور علی نور ہے

جو تاریکیوں سے بہت دور ہے

وہ عرفاں کا حاصل بھی، مقصود بھی

وہ عرفاں بھی، ہر دل میں موجود بھی

حضرت بابا فرید گنج شکر نے بھی کیا خوب فرمایا۔

فریدا جنگل جنگل کیا بھوس، ون کنڈا موڑیں

وسی رب ہیا لئے، جنگل کیا ڈھونڈیں

مطلب: اے فرید، تو جنگل جنگل کیا بھٹک رہا ہے، رب تو دل میں بتا ہے، جنگلوں میں ڈھونڈنے سے کیا ہوگا؟

اسی موضوع پر فارسی کا ایک مشہور شعر ہے۔

آنچه ما کر دیم بر خود بیچ نابینا نہ کرو

در میان خانہ، گم کردیم صاحب خانہ را

ترجمہ: جو کچھ ہم نے اپنے ساتھ کیا ہے، کوئی اندھا بھی اپنے ساتھ ویسا سلوک نہیں کرے گا۔ ہر گھر کے اندر ہی گھر کے مالک کو گم کئے بیٹھے ہیں۔ ہم تو اندھوں سے بھی گئے گزرے ہیں کہ گھر میں رہتے ہوئے مالک کو بھی نہیں پہچان اور دیکھ سکتے۔

سکھ منی صاحب میں آیا ہے۔

سواتر سو باہر انت

گھٹ گھٹ بیاپ رہیا بھگوانت

مطلب: پرما تمنا سب کے اندر اور باہر ہے۔ وہ لا انتہا ہے اور ہر جاندار کے دل میں سما رہا ہے۔ پھر آگے چل کر کہا گیا ہے کہ سب نوروں میں اس کا نور جلوہ گر ہے۔ سب

جانداروں کی زندگیوں کا سرچشمہ وہی ہے۔ وہ سب کا مالک و آقا ہے اور ہر چیز اسی کے دم سے ہے۔

سر علامہ اقبال کا شعر ہے۔

از من بروں نیست منزل کہ من

من بے نسیم را ہے نیام

یعنی میری منزل مقصود مجھ سے باہر نہیں ہے۔ مگر میں بد نصیب ہوں کہ راستہ نہیں ڈھونڈ پاتا۔ مشہور ملائمتی شاعر اور صوفی حضرت بابا بلھے شاہ فرماتے ہیں۔

دل تیرے وچ یار پیارا

توں کیہ بھالیں عالم سارا

جا بنارس مکے تیک

اللہ شہ رگ تھیں نزدیک

ترجمہ: بھگوان تو تمہارے دل میں بیٹھا ہوا ہے، باہر کیوں دھکے کھاتے پھر رہے ہو۔ اسے بنارس یا مکے میں ڈھونڈنے کی بجائے اپنے اندر ہی تلاش کرو۔ وہ مل جائے گا۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

اتھے دنیا وچ اندھیرا ہے

ایسہ تلکن بازی ویٹرا ہے

وڑ اندر ویکھو کیٹرا ہے

باہر خلقت پٹی ڈھوڈھیندی ہے

ترجمہ: باہر دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ یہ دنیا انسان کو بھٹکانے اور ورغلانے والی جگہ ہے۔ اپنے اندر نظر ڈال کر دیکھو کہ وہاں کون جلوہ گر ہے۔ کیوں بھگوان کی بے فائدہ تلاش باہر کر رہے ہو۔ اسے اپنے دل میں تلاش کرو۔

مولانا روم بھی فرماتے ہیں۔

جستجو کن جستجو کن جستجو

در دروں ات ہیں کہ بیروں نیست او

یعنی خدا کو تلاش کر، پھر تلاش کر۔ اپنے اندر ہی اسے دیکھ کیونکہ وہ باہر نہیں اندر ہی ہے۔ آخر کار تلاش کرتے کرتے تو اسے پالے گا۔

اس باب کے آخر میں بھگوان فرماتے ہیں کہ اے ارجن! جیسے ایک سورج ساری دنیا

کو روشنی دے رہا ہے، ویسے ہی پر ماتا سارے جانداروں کے اندر نور ڈال رہا ہے اور جو آدمی جسم اور روح کے بھید کو جان لیتا ہے، اسے بھگوان حاصل ہوتے ہیں، نجات ملتی ہے۔

بہ الفاظ معجز صاحب دہلوی۔

ایک سورج ڈالتا ہے جیسے سب پر روشنی
جان واحد ڈالتی ہے سب کے اندر روشنی
دیکھ لیتا ہے جو چشم دل سے جسم و جاں کا حال
معرفت کی راہ سے پاتا ہے وہ اوج کمال

تین فطری صفات

گیتا کے اس چودھویں باب میں فطرت کی تین صفات کا ذکر ہے، جن کو ”ستوگن“، ”رجوگن“ اور ”تموگن“ کہتے ہیں۔ جو آدمی ان تینوں خاصیات سے مبرا ہو جاتا ہے، اس کی خوبیاں ہی اس باب کا موضوع ہیں۔

بھگوان فرماتے ہیں کہ، ”اے ارجن! فطرت سے پیدا شدہ تین گن (خصوصیات) یعنی ستوگن، رجوگن، تموگن غیر فانی آتما کو جسم میں باندھے رکھتے ہیں۔ ان میں سے ستوگن روح کو گیان اور معرفت کی جانب مائل کرتا ہے۔ رجوگن، دنیاوی آسائشات اور آرام کا دلدادہ بناتا ہے اور تموگن، آدمی میں نیند، بیکاری اور سستی پیدا کرتا ہے۔ اور ان میں روح کو لپیٹ لیتا ہے۔“

آگے فرماتے ہیں:

سرو۔ دواریشو۔ دیہے۔ اسمن۔ پرکاش۔ اپ۔ جانیہے۔

گیانم۔ بدا۔ تدا۔ ودیات۔ ووردھم۔ ستوم۔ اتی۔ ات

ترجمہ: اے ارجن! جب آدمی گیان اور معرفت کی جانب راغب ہوا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ اس میں ستوگن ترقی پر ہے۔

یوبھا۔ پرورتی۔ آر مہا۔ کرمنزام۔ اثما۔ سپرہما۔ رجنس۔ ایتاتی۔ جایننتے۔ ووردہے۔
بھرت ارشب۔

ترجمہ: جب حرص اور بے کلی اور من کا چنچل پن اور دنیاوی آسائش کا لالچ ہو، یعنی دل دنیاوی لذات میں خوش و خرم اور بے فکر ہو اور حرص و ہوا کا زور ہو۔ تب سمجھ لو کہ اس آدمی میں رجوگن ترقی پر ہے۔

اپرکاشو۔ اپرورتی۔ پرماوو۔ موہ۔ ایو۔ چا۔

تمس۔ ایتاتی۔ جانینتے۔ ووردہے کروندن

ترجمہ: جب آدمی میں سستی، آکس، نیند اور جہالت زوروں پر ہوں تو اس کا مطلب

ہے کہ اس آدمی میں تموگن نمود پذیر ہے۔
معجز صاحب نے کچھ یوں کہا ہے۔

شہرت کے سارے دروازوں پہ جب ہو روشنی
تو سمجھنی چاہئے اس میں حکومت گیان کی
آرزو، تدبیر، کوشش، بے قراری اور امنگ
شوق کے جذبہ میں دکھلاتی ہیں، اپنا راگ و رنگ
کاہلی، بے وقوفی، حسرت و دیوانگی
جہل کی شدت سے پیدائش ہے ان جذبات کی

بھگوان آگے ارشاد فرماتے ہیں:

اور دھوم بکھنتی۔ ستو ستھا۔ مدھیہ۔ ششنتی۔ راجسا۔
جگھن۔ گن۔ ور ستھا۔ ادھوگ۔ بکھنتی۔ تامسا۔

ترجمہ: اے ارجن! ستوگنی آدمی مرکز اور نچے طبقات میں جاتے ہیں۔ رجوگن والے مر
کر درمیانے طبقے اور تموگن والے نچلے درجے کو پاتے ہیں۔ یعنی مرنے کے بعد ذلت کا جنم
لیتے ہیں۔

فیضی صاحب نے اس شلوک کو یوں ترجمہ کیا۔

بود میل اول بہ طرف علا
میانہ بود محو حرص و ہوا
تموگن بہ تحت الثرائے مے برد
بہ ہیں از کجا تا کجا مے برد

مطلب: ستوگنی آدمی روحانی ترقی کی خواہش رکھتا ہے۔ رجوگنی آدمی دنیاوی حرص و ہوا
اور عیش و عشرت میں ڈوبا رہتا ہے اور تموگنی آدمی تحت الثرائے یعنی پاتال (گہرائیوں) کو
جاتا ہے۔

معجز صاحب کے الفاظ میں۔

علم کا میوہ ہے، دانش، شوق کا حرص و ہوا
تیرگی، مستی و غفلت ہیں ضمیمہ جہل کا
منزل عرفاں ہے بالا، جائے طامع درمیاں
جہل و بدکاری کے درجہ میں ہے ذلت اور زیاں

یہ الفاظ خواجہ دل محمد۔

ستوگن سے جائیں سوئے آسمان
رجوگن سے لگے رہے درمیاں
تموگن کا گن ہے جو سب سے رذیل
یہ پستی میں ڈالے، یہ کروے ذلیل
مہرشی کپل دیوجی مہاراج سا نکھیہ شاستر میں یوں کہتے ہیں۔

اور دھوم۔ ستو۔ وشالا۔ تمو۔ وشالا۔ مولتا۔ مرہبے۔ رجو۔ وشالا

ترجمہ: ستوگن انسان مرنے کے بعد بالائی درجات یعنی سورگ پاتے ہیں۔ تموگن والے مرنے کے بعد ذلت کا جنم لیتے ہیں یعنی پرندوں، حیوانوں اور کیڑوں مکوڑوں کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ رجوگن والے درمیانہ درجہ پاتے ہیں، یعنی دوبارہ انسان کی صورت میں ہی دنیا میں آتے ہیں۔

آگے چل کر بھگوان یوں گویا ہوئے:

”اے ارجن! جو آدمی ان تین گنوں کو عبور کر جاتا ہے، ان سے بالاتر ہو جاتا ہے، ان کے منفی اور مثبت اثرات سے آزادی پا لیتا ہے، وہ جنم اور موت، بڑھاپا اور دکھ سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ جاتا اور امر ہو جاتا ہے۔ یعنی اسے حیات جاوداں حاصل ہوتی ہے۔ وہ مرنے کے بعد دوبارہ جنم نہیں لیتا۔“

اس پر ارجن سوال کرتا ہے، ”اے مہاراج! جس آدمی نے ان تینوں خاصیات سے چھٹکارا پا لیا ہے، اس کے اوصاف کیا ہوتے ہیں؟ وہ کیسے پہچانا جاتا ہے؟“
بھگوان کرشن جواب دیتے ہیں:

سم۔ دکھ۔ سکھا۔ سوستھا۔ سم لوشٹ۔ آستم۔ کانچنا۔

تلیہ۔ پریا۔ اپریو۔ دھیرا۔ تلیہ۔ منڈیا۔ آتم۔ سنستی

ترجمہ: اے ارجن! جو عارف دکھ سکھ کو برابر جانتا ہے، جو اپنی ہی ذات میں مست و بے خود رہتا ہے، مٹی کا ڈھیلا اور سونا جس کے لئے مساوی ہیں، جو اچھی اور بری چیز ملنے پر یکساں رد عمل کرتا ہے، جو اپنی تعریف اور بد تعریفی کو برابر جانتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

مان۔ اجمان۔ یو۔ تلیہ۔ تلیو۔ متر۔ اری۔ پکشیو۔

سرو۔ آر مہ۔ پری تیاگی۔ گن۔ آیتا۔ سا۔ اچیتے۔

ترجمہ: جسے مان اور اہمان یعنی عزت اور بے عزتی ایک جیسی ہے، جو دوست اور دشمن کو ایک نظر سے دیکھتا ہے، جس نے اعمال کے پھل کی خواہش کو یکسر چھوڑ دیا ہے اور نیکی جس کی فطرت بن گئی ہے، ایسا آدمی ان تینوں مندرجہ بالا خصوصیات سے بالاتر ہے۔ وہ عارف ہے۔

تارک الدین یعنی عارف کے اوصاف کا بیان معجز صاحب یوں کرتے ہیں۔

راحت و کلفت میں جس کی عقل رہتی ہے بجا
جس کی نظروں میں ہے یکساں، آہن و سنگ و طبلہ
بے تعلق ہے جو اپنی ہجو اور تعریف سے
ہے مساوی کامیابی اور ناکامی جسے
پاک ہے جو شوق و نفرت، عزت و توہین سے
تارک فعل و صفت اس کو سمجھنا چاہئے

خواجہ صاحب نے اس مضمون کو یوں بیان کیا۔

جو دکھ سکھ میں یکساں رہے مستقل
برابر جسے زر ہو مٹی کہ سل
مساوی پسندیدہ و ناپسند
ہو تجسس کہ نفیس وہ سب سے بلند
نہ ذلت کی پروا، نہ عزت کی بھوک
کرے دوست دشمن سے یکساں سلوک
غرض تیاگ دے مجھ پر سب کاروبار
سمجھ تو گنوں سے وہ ہوتا ہے پار

ایران کے مشہور شاعر عمر خیام کی رباعی ہے۔

در چشم محققاں چہ زیبا و چہ زشت
منزگد عاشقاں چہ و دوزخ چہ بہشت
پوشیدن بیدلاں چہ اطلس چہ پلاس
زیر سر عاشقاں چہ بالیس وچہ خشت

ترجمہ: گیانی (عارف) کی نظر میں اچھا برا سب یکساں ہے۔ یہاں تک کہ اس کے لئے دوزخ اور بہشت میں بھی کوئی فرق نہیں۔ اسے چاہے پہننے کو اطلس و کنجواب دے دیں،

چاہے بوریا، اس کی طبیعت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اسے یہ بھی پروا نہیں ہے کہ اس کے سرہانے اینٹ ہے یا تکیہ۔ عارف ان باہر خارجی دنیاوی لوازمات سے بے نیاز ہوتا ہے، اس کی نظر تو پر ماتما پر ہے، نہ کہ دنیا اور اس کی آسائشوں اور خوشیوں پر۔

عمر خیام کی اس رباعی کا ایک شاعر نے اردو نظم میں یوں ترجمہ کیا ہے۔

محقق کی نظر میں کیا برا کیا اچھا

عاشق کے لئے بہشت کیا، دوزخ کیا

بیدل کے لئے ٹاٹ اور اطلس سب ایک

عاشق کے سرہانے اینٹ ہو کہ تکیہ

گورو تیج بہادر جی نے اس بارے میں یوں فرمایا۔

جو زر دکھ میں دکھ نہیں مانے

سکھ سینہ اور بھے نہیں جانکے

کنچن مائی مانے

مطلب: جو آدمی دکھ میں دکھی نہیں ہوتا، اور سکھ و خوف سے آزاد ہے اور سونے کو

مٹی جیسا جانتا ہے۔

نہ نندیا نہ است جاں کے

لوہہ موہ ابھیاناں

ہرکھ سوگ تے رہے نیارا

نانہ مان اجماناں

آسا منسا گل تیاگے

جگ تے رہے نراسا

کام کرودھ جیہہ پرے ناہیں

تے گھٹ برہم نواسا

مطلب: جسے اپنی ستائش و مذمت ایک سی لگتی ہے، جس نے حرص و ہوا اور الفت

اور غرور کو اپنے اندر سے مٹا دیا ہے، جو خوشی اور غم کے احساس سے مبرا ہے، جس کو

عزت و بے عزتی یکساں ہیں۔ جس نے سب خواہشات و تمنائیں چھوڑ دی ہیں، اور جہان

میں رہتا ہوا بھی جہان سے آزاد ہے، جسے شہوت اور غصہ چھو بھی نہیں سکتے، ایسا آدمی

عارف ہے۔ وہ تارک الدنیا ہے ایسے آدمی کے دل میں ہی بھگوان آن بستے ہیں۔

تو المختصر یہ کہ جس آدمی نے مندرجہ بالا درجات حاصل کر لئے ہیں، وہ حقیقت سے آشنا ہے، وہ اوج کمال پر پہنچ چکا۔ اب تو وہ
ہے وصل خدا کا سزاوار وہ

پندرہواں باب

”میں افضل ترین ہوں“

اس پندرہویں باب کو پرشوتم (افضل ترین) یوگ کہا گیا ہے، اس کا پہلا اشلوک ہے کہ:

یہ جہاں ایک درخت کے مانند ہے، جس کی جڑ اوپر ہے اور شاخیں نیچے۔ وید اس کے پتے ہیں، یہ درخت لافانی ہے۔ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ جو شخص اس درخت اور اس کی جڑ کی ماہیت کو سمجھ جاتا ہے، وہ وید کے اسرار پا لیتا ہے اور عارف بن جاتا ہے۔

آگے چل کر بھگوان کرشن، ارجن سے کہتے ہیں:

نہ۔ تہ۔ بھاستے۔ سوریو۔ نہ ششاکو۔ نہ۔ پاوکا۔

یت۔ گتوا۔ نہ نورتننتے۔ تد۔ دھام۔ پر مم۔ مم

ترجمہ: اے ارجن جس کو نہ سورج روشن کر سکتا ہے اور نہ چاند، نہ آگ، جو اپنی ہی تصویر سے منور ہے، یعنی جس کی ذات عین نور ہے، وہ میں ہوں۔ میں ہی سمومت والارض کا نور ہوں اور اس کو حاصل کرنے کے بعد انسانوں کو اس دنیا میں لوٹ کر دوبارہ نہیں آنا پڑتا۔

بہ الفاظ معجز صاحب۔

آتش و شمس و قمر کی روشنی اس جا نہیں

جو میری منزل پہ پہنچا، وہ کبھی لوٹا نہیں

مندوکیہ اپنشد میں بھی آیا ہے کہ ”جو سورج، چاند، ستاروں، بجلی اور آگ سے ماورا ہے، بلکہ جس کی روشنی سے ہی یہ سب تاباں ہیں، وہ برہم ہے۔“ کتھ اپنشد میں بھی ہو، یہی منتر موجود ہے۔

بھگوان پھر ارجن سے کہتے ہیں:

زمان۔ موہا۔ جت۔ سنگ۔ دوشا

ادھیاتم۔ نیتیا۔ ونی وات۔ کاما
 دوند۔ و مکتا۔ سکھ۔ دکھ۔ اسگنی
 بکھنتی۔ اموڑھا۔ پدم۔ او یوم۔ تت

ترجمہ: اے ارجن! جن آدمیوں کا غروز اور تخریص مٹ گئی ہے، جو ہمیشہ ایٹور میں ہی اپنا دھیان لگائے رکھتے ہیں، جنہوں نے دکھ سکھ کے احساسات سے نجات پالی، ایسے عارف مجھے پاتے ہیں۔

بہ الفاظ خواجہ دل محمد۔

فریب و تکبر سے پا کر نجات
 ہوس چھوڑ کر جو رہیں محو ذات
 تعلق نہ سکھ دکھ کے اضداد ہوں
 مقام ابد پا کے دل شاد ہوں

بھگوان آگے کہتے ہیں، ”اے ارجن! اس جسم میں مقیم یہ آتما میرا ہی جزو ہے۔ جو اس دنیا میں آکر حواس خمسہ اور من کو اپنے گرد کھینچتا ہے، اور ان میں گھرا رہتا ہے۔ آتما جب ایک جسم کو چھوڑتی ہے یا نیا جسم اختیار کرتی ہے تو من اور پانچ حواس کو یوں اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ جیسے پھول میں سے گزرتی ہوا خوشبو کو اپنے دوش پر اٹھائے ہوئے لئے جاتی ہے۔ اے ارجن! آتما کو جسم چھوڑ کر جاتے ہوئے یا دوسرا جنم لیتے ہوئے اور جسم کی خصوصیات کا سہارا لے کر خمیازہ بھگتتے ہوئی گیانی لوگ گیان کی آنکھ سے دیکھ لیتے ہیں۔ مگر بے معرفت لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے۔“

بہ الفاظ شاعر۔

قالبوں سے روح جب ہوتی ہے واصل یا جدا
 ساتھ لے جاتی ہے اپنے جیسے نگہت کو صبا
 گوش و چشم و لمس و بینی و زباں کی قوتیں
 دل کی حرکت سے وہ لیتی ہیں نفس کی لذتیں
 اہل دل کوشش سے اپنے دل میں پاتے ہیں اسے
 مشاغلان بے خرد، محروم ہیں دیدار سے

بھگوان اسی بات کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتے ہیں، ”اے ارجن! سورج کا جاہ و جلال جو سارے عالم کو منور کرتا ہے، وہ میرا ہی جاہ و جلال ہے، جو نور چاند اور آگ میں

موجود ہے، وہ بھی میرا ہے۔“

مر عالم تاب اک جلوہ ہے میرے نور کا
ماہ میں اور شعلہ آتش میں ہے میری ضیا
اس کے بعد بھگوان نے یوں کہا:

سروسیہ۔ چا۔ اہم۔ ہر دے۔ سم۔ نوشٹو

متا۔ سرتی۔ گیانم۔ ایونہم۔ چا

ویدے۔ چا۔ سروے۔ اہم۔ ایو۔ ویدیو

ویدانت۔ کرت۔ وید۔ ویدیو۔ چا۔ اہم

ترجمہ: اے ارجن! میں سب کے دل میں موجود ہوں۔ مجھ سے ہی گیان ہوتا ہے۔
ویدوں اور ویدانت کو ظاہر کرنے والا بھی میں ہوں اور ان کے ذریعے قابل اور اک بھی
میں ہوں۔

ہر انسان کے دل میں ہوں پنہاں بھی میں

کہ دوں حافظہ، علم۔ نسیاں بھی میں

میں دانا ہوں، روشن ہے سب مجھ پہ وید

ہے ویدانت مجھ سے وید ویدوں کا بھید

اگلے اشلوکوں میں پھر فرماتے ہیں کہ، ”اے ارجن! میں مادہ اور روح سے بھی ماورا

ہوں، اور ویدوں اور دنیاؤں میں سب سے افضل مشہور ہوں۔ اس لئے اے ارجن! جو

عارف مجھے افضل ترین (پرشوتم) کے طور پر جانتا ہے وہ سب کچھ جانتا ہے اور وہ پورے

جذبہ سے، دل لگا کر میرا بھجن (ورد، حمد و ثنا) کرتا ہے۔“

خواجہ دل محمد نے اس بات کو شعروں میں ہوں تخلیق کیا۔

جو پرشوتم اس اس طرح جانے مجھے

دل حق نگر سے جو مانے مجھے

تو بھارت سمجھ با خبر ہے وہی

وہ تن من سے کرتا ہے بھگتی میری

دیوتائی اور شیطانی صفات

گیتا کے سولہویں باب میں دیوتائی اور شیطانی صفات کا ذکر آتا ہے۔ بھگوان فرماتے ہیں کہ ساری دنیا میں جس قدر آدمی ہیں، دو قسموں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک دیوتا سیرت اور دوسرے شیطان سیرت۔ دیوتا سیرت آدمیوں میں کیا کیا خوبیاں ہوتی ہیں؟ بھگوان نے اس کی وضاحت یوں فرمائی:

”اے ارجن! نڈرتا، باطن کی پاکیزگی، طبیعت کی معرفت اور یوگ کا قیام، دان کرنا، حواس کو قابو میں لانا، بھینٹ کرنا، ریاضت کرنا اور راست بازی، بے آزاری، صداقت، غصہ نہ کرنا، تیاگ، شانتی، سکون قلب، چغلی نہ کھانا، فراخدلی، رحمدلی، لالچ نہ ہونا، انکساری، حوصلہ، جلال، عفو، پاکیزگی، عداوت نہ رکھنا، غرور نہ ہونا۔ یہ سب دیوتائی گن ہیں، یعنی دیوتاؤں والی صفات۔“

معجز صاحب نے ان اشلوکوں کا ترجمہ یوں کیا ہے

شوق ذکر و فکر، بے خونئی، صفائے باطنی
زہد و ضبط و فیض تعلیم و ریاضت، سادگی
صبر، سچائی، ہی خواہی، رضا، ترک خودی
رحم، استغنا، سکون، حلم و حیا، سنجیدگی
ہمت و صلح و شرافت، شان و عفو و انکسار
نیک انسانوں کے یہ اوصاف ہیں نامدار

اب ان اوصاف پر گیتا کے حوالے سے باری باری بات کرتے ہیں۔

بے خونئی: اس کا مطلب ہے کہ دھرم کے کاموں میں، صراط مستقیم پر چلتے ہوئے، دلیری، نیکی اور دھرم کے کاموں میں جو بھی تکالیف آئیں، ان کا بے خونئی اور خندہ پیشانی کے ساتھ سامنا کرنا۔ پاپ کرنے میں دلیری تو انتہائی پستی کی بات ہے۔ پاپ میں دلیر کرنے والا تو سیدھا جہنم میں جاتا ہے۔ بھگوان فرماتے ہیں کہ ”اے ارجن! بے خوف ہو کر دھرم

یدھ میں ڈٹ جا۔“

باطن کی صفائی : اپنے من میں پاکیزہ جذبات رکھنا، عقل کو نیکی اور دھرم کی طرف لگانا۔ عقل میں دو صفتیں ہوتی ہیں، ایک تیزی، دوسری پاکیزگی۔ عصر حاضر کے لوگوں کی عقل میں تیزی تو بہت ہے مگر پاکیزگی نہیں۔ نت نئی اور عجیب و غریب ایجادات عقل کی تیزی کا ہی نتیجہ ہیں۔ مگر باطن کی صفائی نہ ہونے سے یہی ایجادات خلق کی تباہی کا باعث بن رہی ہیں۔ چوری اور دھوکہ بازی کے لئے بڑی عقل درکار ہوتی ہے، مگر ایسی عقل غیر پاکیزہ ہوتی ہے اور یہ شیطانوں (راکشسوں) کا خاصہ ہے۔ پاکیزہ عقل، جو کہ آدمی کو نیکی اور دھرم کی طرف مائل کرے، وہ دیوتائی خاصہ ہے۔

ریاضت اور ضبط نفس : من کو ہمیشہ تزکیہ نفس، ریاضت اور مشق معرفت میں لگائے رکھنا دیوتائی صفت ہے۔ یہ تو ایسی صفت ہے کہ جس کے لئے دیوتا بھی ترستے ہیں۔ (مزید تفصیل باب نمبر چھ میں ملاحظہ ہو۔)

دان دینا : یہ بھی دیوتائی صفت اور عین دھرم ہے۔ جو شخص دان دیتے وقت جگہ، وقت اور لینے والے کے استحقاق کی پڑتال کر کے دان دیتا ہے وہ دان اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے اور اس کا پھل بڑا اچھا ملتا ہے۔

وم : دان کے بعد دم آتا ہے، اپنے حواس خمسہ کو قابو میں کر لینا۔ عام لوگ تو اپنے حواس کے قابو میں ہیں اور ان کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں۔ حواس انہیں زبردستی کھینچ کر خواہشات کی جانب لے جاتے ہیں۔ دیوتائی صفات رکھنے والے پہلے اپنے حواس کو دباتے ہیں اور یوگ کے ذریعہ، ریاضت سے ان پر قابو پا لیتے ہیں۔

گیہ : گیہ (گی) سے مراد بھینٹ اور چڑھاوے وغیرہ چڑھانا ہے، مگر اس کے اصل معنی نیکی یا خدمت خلق کے ہیں۔ اپنے ہم جنسوں کی خدمت کرنا بہت بڑا ایہ ہے۔

سوادھیائے : یعنی مذہبی کتب کا روزانہ صبح پروگرام کے مطابق پانچ (مطالعہ) کرنا بہت فائدہ مند ہے۔ اس سے من دھرم کی گنگا میں اشان کر لیتا ہے اور آہستہ آہستہ صاف ہوتا چلا جاتا ہے۔

ریاضت : من کو ضابطہ میں رکھنے کا نام ریاضت (تپ) ہے۔ من کو خواہشات سے

نکال کر یوگ میں لگانے کا نام ہی تپ ہے۔ یوں سمجھیں کہ من ایک بچھڑا ہے، جو بہت زیادہ کودنے پھانڈنے کا عادی ہے۔ تپ لگام ہے، جس سے اسے قابو میں کیا جا سکتا ہے۔

سادگی: اس سے مراد سیدھا پن ہے، یعنی طبیعت میں ٹیڑھے پن کا نہ ہونا۔ عام لوگوں کے من میں گرہیں ہوتی ہیں، وہ زبان سے کچھ کہتے ہیں، دل میں کچھ لئے ہوتے ہیں اور کرتے کچھ اور ہی ہیں۔ ٹیڑھا پن شیطانی صفت ہے اور سیدھا پن دیوتائی۔ سادگی سے مراد بھولا پن ہرگز نہیں ہے۔ آدمی سیدھا ہو مگر بے وقوف نہیں۔ اس کی سادگی میں سیانا پن ہونا چاہئے۔ دوسروں کے کرتوت خوب سمجھے مگر خود سیدھا رہے، راہ راست کو ہرگز نہ چھوڑے۔

آہنسا: یعنی بے آزاری اور عدم تشدد۔ کسی کو بھی اپنی زبان یا من سے دکھ نہ پہنچائے۔ کسی کے بارے میں بری سوچ دل میں نہ لائے اور نہ ہی کسی کو کسی قسم کی تکلیف دے۔ مہاتما گاندھی کو اس ایک راہ نے کتنوں ہی سے ممتاز کر دیا تھا۔

سچائی: کسی بات کو جوں کا توں ہی بیان کر دینا سیدھا (صدائق) کہلاتا ہے۔ سچ بولنے والا شخص کبھی پاپ نہیں کر سکتا، کیونکہ پاپ کو چھپانے کے لئے جھوٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس شخص نے سچ بولنے کی قسم کھا رکھی ہے، وہ پاپ کر ہی نہیں سکتا۔

نرم ولی: کبھی بھی غصہ نہ کرنا، طبیعت میں غصہ کا بالکل نہ ہونا بھی دیوتائی صفت ہے۔ یہ صفت رکھنے والا آدمی ایسی بات پر بھی شانت بیٹھا رہتا ہے، جس پر عام لوگ غصہ میں آکر دیوانے ہو جاتے ہیں۔ غصہ انسان کے اندر چھپا ہوا ایک دشمن ہے۔ اس پر قابو پا لینا بڑی ہمت کا کام ہے۔ جس شخص نے اپنے اندر سے غصہ کو نکال دیا ہے، وہ بڑا ہی بہادر ہے۔ وہ تو دیوتاؤں جیسا ہے کیونکہ غصہ ہی ظلم پر آمادہ کرتا۔

تیاگ: تیاگ کا مطلب ہے چھوڑنا۔ اس سے مراد ہے کہ دل کی گہرائیوں سے تیاگ کرنا، یعنی باطنی تیاگ۔ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیاوی لوازمات سے بے لوث رہنا ہی اصلی تیاگ ہے۔ دنیا میں پوری تن دہی سے برتاؤ کرنا، لیکن یہاں دل کو نہ لگانا، دنیا کی کسی شے کو اپنی ملکیت نہ سمجھنا، دنیاوی حرص و ہوا کے جال میں نہ پھنسا تیاگ کہلاتا ہے۔ یہ صفت حاصل کر لینے والا تو حقیقی معنوں میں دیوتا ہے۔

شانتی: من کو ہر وقت ٹھنڈا رکھنا، چاہے کوئی مشتعل کرنے کی کتنی ہی کوشش

کیوں نہ کرے۔ من کو گرم نہ ہونے دینا، بھڑکنے نہ دینا، اسے ہر وقت اختیار میں رکھ کر متانت رکھنا دیوتائی صفت ہے۔ اس سے ابدی طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ من کے مشتعل ہونے سے جذبات بھی مشتعل ہو جاتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کوئی دکھ نہیں، بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ من کی بے کلی اور جذبات کا اشتعال ہی دنیا میں افراتفری اور حرص و ہوا کا ایک بہت بڑا بلکہ مرکزی باعث ہے۔ اس کے برعکس من کو ٹھنڈا رکھنے والا شخص ہمیشہ مطمئن و مسرور رہتا ہے۔ اور شانتی سے بڑھ کر کوئی سکھ نہیں۔

غیبت نہ کرنا: غیبت کرنے والا آدمی بیچ ہوتا ہے۔ لہذا بھگوان کا ارشاد ہے کہ کسی کی غیبت نہیں کرنی چاہئے۔ لہذا یہ بھی دیوتاؤں والی صفت ہے۔

رحم: سب ذی حیات کے لئے رحم کے جذبات رکھنا بھی دیوتائی صفت ہے۔ جب انسان کے پاس کسی کو سزا دینے کی طاقت اور اختیار ہو، لیکن وہ ہاتھ کو روک لے، اس کا نام ہی رحم (دیا) ہے۔ رحم کرتے وقت استحقاق بھی نظر میں رکھنا چاہئے۔ پاپی پر رحم کر کے اسے سزا نہ دینا تو غلط رحم ہے، کیونکہ وہ پاپی اور بھی زیادہ پاپ کرنے لگے گا۔ پاپی کو سزا دے کر اسے پاپ کی راہ سے ہٹا دینا اس پر رحم کرنے کے ہی مترادف ہے۔ البتہ اگر کسی سے نادانستہ طور پر یا بھول چوک سے زیادتی ہو جائے تو اسے ضرور معاف کر دینا چاہئے۔ وہ رحم کا حقدار ہے۔ رحم کرنے کے لئے دل میں بڑی وسعت چاہئے۔ فراخدلی کے بغیر رحم کرنا ممکن نہیں۔

بے تعلق ہونا: بیوی بچوں کے تعلق (کشش) سے آزاد رہنا، ان کی خدمت کرنا مگر بے تعلق ہو کر جس طرح ڈاکٹر اپنے مریضوں کی خدمت کرتا ہے، ان کی چیرپھاڑ بھی کرتا ہے، کڑوی سے کڑوی دوائی بھی پلاتا ہے، مگر یہ سب کچھ ان کی بھلائی کے لئے کرتا ہے، کسی خاص تعلق یا کشش کے تحت نہیں۔

کوملتا: نرمی، طبیعت میں گدازپن ہونا اور کٹھورپن نہ ہونا بھی دیوتاؤں والی خصوصیت ہے۔

احساس ملامت: پاپ کرنے میں شرم محسوس کرنا۔ اپنے دل میں خود ہی شرمندہ ہونا کہ میں یہ کیا کر رہا ہوں۔ جس شخص میں یہ گن ہے وہ پاپ نہیں کر سکتا، کیونکہ پاپ کرتے وقت اس کا اپنا دل ہی اسے ملامت کرے گا اور شرم کے باعث وہ پاپ کرنے سے

باز آجائے گا۔

اطمینان: یعنی چینل پن نہ ہونا۔ عام آدمی چینل مزاج ہوتے ہیں۔ یہ مزاج قابل تحسین نہیں ہے۔ چینل نہ ہونا، پر یقین اور مستقل مزاج ہونا دیوتائی گن ہے۔

جلال: دبدبہ، رعب۔۔۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو ڈاکوؤں یا ظالموں کا ہوتا ہے، دوسرے نیک سیرت دھرماتما بادشاہ کا رعب۔ لفظ جلال سے وہ رعب مراد ہے جو دھرم پر عمل کرنے والوں کے چہروں پر ہوتا ہے۔ ڈاکو یا پاپی لوگوں والا رعب شیطانی کہلاتا ہے۔ جلال تو وہ رعب ہے جو دھرم، نیکی اور پاکیزگی کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ دھرم کے مطابق حاکم بادشاہ کہلاتا ہے۔ اس میں جلال ہوتا ہے جو حکمران ادھرم اور پاپ کے بل بوتے پر حکومت کرتا ہے وہ ڈاکو ہے۔ وہ رعیت کا لٹیرا ہے۔ رعب تو اس کا بھی ہوتا ہے مگر ہم اسے جلال نہیں کہیں گے۔

عفو و درگزر: کسی کی غلطی معاف کر دینا، فراخ دل انسانوں کا شیوہ ہے، اور بدلہ لینا سنگدلوں کا۔ جو شخص دوسروں سے بدلہ نہ لے اور معاف کر دے، وہ فرشتہ سیرت ہے۔ اس کا رتبہ بہت بلند ہے۔

استقامت: حوصلہ اور مستقل مزاجی، جسے انگریزی میں (Perservance) کہتے ہیں۔ نیکی کے کام میں استقامت بھی تو چاہئے۔ پاپ میں مستقل مزاجی گراوٹ ہے۔ نیکو کاری میں مستقل مزاج ہونا دیوتائی صفت ہے۔ نیکی کے راستے میں مشکلات اور تکالیف سے نہ گھبرانے والا شخص دیوتا ہے۔

پاکیزگی: جسم اور من کو ہر دم پاک رکھنا۔ اپنے من میں ناپاک اور گندے خیالات کو جگہ نہ دینا، ہر دم اپنی ظاہری اور باطنی، بیرونی اور اندرونی، داخلی اور خارجی، جسمانی اور روحانی پاکیزگی کی کوشش کرنا دیوتاؤں والی خصوصیت ہے۔

کینہ نہ کرنا: یعنی دل میں بغض اور کینہ نہ رکھنا۔ جس شخص نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے، اس سے انتقام لینے کی دھن میں لگا رہنے کی بجائے کینہ چھوڑ دینا ہی اچھا ہے۔ دل میں کسی زیادتی کو یاد رکھنا اور بدلہ لینے کے لئے موقع کی تلاش میں رہنا کینہ پروری ہے اور یہ شیطانی صفت کہلاتا ہے، بدلہ معاف کر کے زیادتی کو بھول جانا دیوتائی صفت۔

تکبر نہ کرنا : اپنے اوپر گھمنڈ فخر یا مان نہ کرنا۔ خود کو نمانا اور حقیر خیال کرنا دیوتائی گن ہے۔ اس سے روحانی ترقی کا راستہ جلدی مل جاتا ہے۔ اس کے برعکس گھمنڈ کرنے والا انسان جلد ہی پستیوں میں گر جاتا ہے۔ شاہ حسین لاہوری نے اپنی کافیوں میں بیشتر جگہ خود کو شاہ حسین نمانا کہا ہے۔ اس نے دنیا کو تیاگ کر معرفت حاصل کرنے کا راہ اختیار کیا تھا۔ بے لوث وفاداری، صبر شکر اور رضامندی کی صفات کے باعث وہ کتے کو مثال بناتے ہوئے کہتے ہیں:

”کے حسین فقیر سائیں دا

در تیرے دی کتی ہیں“

یعنی، اے محبوب میں تیرے در پر کتیا کی طرح پڑا ہوں۔ کوئی غرور، تکبر، گھمنڈ اور غرض نہیں، سوائے تجھے پانے کے۔

مندرجہ بالا تمام خوبیاں دیوتائی ہیں۔ ہندی زبان میں اس کے لئے لفظ ”دیوی سمپت“ استعمال کیا گیا۔ اس کا درست ترین انگریزی ترجمہ (Divine Assets) ہے۔ لہذا یہ تمام خوبیاں رکھنے والا شخص بھی دیوتا خصلت ہے۔

بھگوان نے ارجن سے کہا کہ، ”اے ارجن تو مایوس نہ ہو کیونکہ تجھ میں یہ تمام خوبیاں موجود ہیں۔ تو میرا سچا بھگت ہے۔“

ہم سب کو چاہئے کہ اپنے دل میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم ان خوبیوں پر پورا اترتے ہیں یا نہیں۔ اس سے اپنا محاسبہ کرنے میں مدد ملے گی۔ گو یہ بہت مشکل بات ہے لیکن کافی اہم بھی۔ کیونکہ یہی خوبیاں نہ ہوں تو انسان انسان نہیں رہتا۔

دیوتائی صفات کے ذریعہ مکتی

بھگوان فرماتے ہیں۔ ”اے ارجن! دیوتائی صفات مکتی دلانے کا باعث بنتی ہیں اور شیطانی صفات گہرائیوں میں پھینکنے والی ہیں۔ روحانی ترقی کے خواہشمندوں کو چاہئے کہ اپنے اندر دیوتائی خوبیاں پیدا کریں۔ فرشتہ سیرت ایک دن میں ہی نہیں بنا جا سکتا، اور نہ ہی محض خواہش کرنے سے ہم اسے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے بڑی محنت اور بہت وقت درکار ہے۔ مگر کوشش کرتے کرتے بالآخر سیرت بدل ہی جاتی ہے۔“

راقم الحروف نے جب گیتا شروع کی اور اس باب کو پڑھا تو بہت حیرت زدہ ہوا، کیونکہ ان دنوں میرے اندر غصہ، نخوت، غرور، لالچ، پتے بازی اور دیگر بہت سی برائیاں پورے زوروں پر تھیں۔ جب سولہواں باب پڑھا تو حیران رہ گیا کہ جن باتوں کو میں خوبیاں سمجھے بیٹھا تھا، وہ تو گیتا کے لحاظ سے شیطانی صفات ہیں، اور آہنسا، درگزر، وغیرہ جن کو میں کمزوری کی نشانیاں سمجھتا تھا، وہ دیوتائی خصوصیات میں شمار ہوتی ہیں۔ میں نے سوچا کہ یا تو گیتا غلط ہے یا میری سمجھ الٹی۔ رفتہ رفتہ طبیعت نے اس بات کو تسلیم کر ہی لیا کہ میری ہی سمجھ الٹی ہے کہ بھول سے برائیوں کو خوبیاں سمجھ رہا ہوں۔ پھر تو یہ دھن سوار ہو گئی کہ اپنا مزاج اور رویہ بدلنا چاہئے۔ چنانچہ اس کوشش میں لگ گیا۔ تکمیل تو بہت دور کی بات ہے، تاہم یہ کوشش ضرور ہے کہ شیطانی صفات ختم کر کے اپنے اندر دیوتائی صفات پیدا کروں۔ کافی حد تک اس مقصد میں کامیابی بھی ہوئی ہے۔

جب کوئی آدمی گیتا پڑھنے کی خواہش کے ساتھ میرے پاس آتا ہے تو میں اسے سب سے پہلے سولہواں باب پڑھنے کو کہتا ہوں۔ کیونکہ یہ بہت ہی واضح اور آسان ہے۔ اس میں آتما اور پرماتما جیسی باریک باتوں کا ذکر نہیں۔ سمجھئے کہ انسان کے اندرون کی تصویر کشی ہے۔ یہ سولہواں باب ایک آئینہ ہے، جس میں ہر کوئی اپنی تصویر دیکھے گا۔ اور اس طرح وہ یہ فیصلہ کر سکے گا کہ آیا وہ فرشتہ سیرت جماعت میں ہے یا شیطانی گروہ میں۔ یہ باب پڑھ کر اور اس میں اپنا عکس دیکھ کر انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ یہ کیا معنی ہے؟ جن خوبیوں پر وہ اترا تا پھر رہا ہے، وہ تو شیطانی وصف ہیں۔ فرشتہ سیرتی تو اور چیز ہے۔ اس سے قاری کے دل و دماغ میں ایک دھکا سا لگتا ہے۔ جو اس کو جگا دیتا ہے۔ اس کی سمجھ میں آجاتا ہے کہ وہ غلط راستے پر ہے۔ ٹھیک راستہ تو اس کے بالکل برعکس ہے۔ پھر وہ شیطانی وصف چھوڑنے کی کوشش شروع کر دیتا ہے۔ اور اس کے بدلے میں نیک صفات پیدا کرنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ یوں اس کو اپنی روحانی ترقی نظر آنے لگتی ہے۔ وہ دھیرے دھیرے روحانی ترقی کے زینے پر چڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ ان دیوتائی صفات کے اندر ہی روحانی ترقی کا راز مضمر ہے۔

آدمی کو چاہئے کہ ان خوبیوں میں سے کسی ایک ہی کو لے کر اس میں پختگی حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دے۔ باقی اثر اس پر خود بخود عیاں ہوتا چلا جائے گا۔ دیوتائی صفات کے بغیر معرفت ناممکن ہے۔ معرفت کے خواہش مندوں کے لئے لازمی ہے کہ وہ پہلے اپنے اندر دیوتائی وصف پیدا کریں۔ فرشتہ سیرت بنیں۔ جب تک وہ ایسا

نہیں کرتے، جہالت اور تاریکی میں ہی ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔

شیطانی خصائل

آسری سمیت یعنی شیطانی سیرت کے بارے میں بھگوان فرماتے ہیں: ”اے ارجن! مکاری، گھمنڈ، غرور، غصہ، سخت کلامی، جہالت یہ سب شیطانی سیرت لوگوں کا وصف ہوتی ہیں۔ شیطان لوگ یہ نہیں جانتے کہ انہیں کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں۔ ان میں امر و نہی کی تمیز ہی نہیں ہوتی۔ نہ ان میں پاکیزگی ہوتی ہے نہ نیک عمل۔“ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ اس جہان کا کوئی ایشور نہیں۔ ان کے خیال کے مطابق نفساتی لذات ہی سب کچھ ہیں، ان سے بڑھ کر کوئی بھی شے نہیں۔ وہ لوگ اپنی لذات کی خاطر جیتے ہیں اور نفس کی لذت پر ہی فریفتہ ہیں۔“

پھر فرمایا: ”اے ارجن! یہ شیطان صفت لوگ انانیت، طاقت، گھمنڈ، شہوت اور غصہ کی وجہ سے ایسے ہیں۔ یہ بدکلام ہیں اور مجھ (بھگوان) سے جو بلا امتیاز ہر ایک میں بتا ہے، نفرت کرنے والے ہوتے ہیں۔“

قاریوں سے التماس ہے کہ وہ اپنے باطن کو کھنگال کر دیکھیں کہ ان میں ان مندرجہ بالا باتوں میں سے کس بات کی کمی ہے۔ اگر اپنے اندر کو واضح طور پر دیکھا جائے تو یوں لگتا ہے گویا بھگوان نے ہمیں آئینہ دکھا دیا۔ فوراً علم ہو جاتا ہے کہ ہم شیطان ہیں یا فرشتہ ایک مرتبہ اپنے نقائص سمجھ آجائیں، اپنی اصلیت ٹھیک طور پر معلوم ہو جائے تو انسان ترقی پر مائل ہوتا ہے، اس کے لئے کامیاب کوشش کر پاتا ہے۔

بروں کا انجام

شیطانی خصلت رکھنے والے لوگوں کا کیا انجام ہوتا ہے؟ اس کے بارے میں بھگوان فرماتے ہیں: ”اے ارجن! ان بچ اور برے اعمال کرنے والے اور بری خواہشات رکھنے والے لوگوں کو میں بار بار رذیل جنم میں ڈالتا ہوں۔ ہر جنم کے بعد ان کا درجہ گھٹتا ہی چلا

جاتا ہے۔ انسان کو اپنا سدھار کرنے کے لئے اگلا جنم ملتا ہے تاکہ وہ اخلاقی اور روحانی طور پر ترقی حاصل کرے۔ مگر شیطان سیرت لوگ ہر جنم میں پہلے سے بھی زیادہ پاپ اور زیادتیاں کرتے ہیں، جس سے ان کی ذلت بڑھتی چلی جاتی ہے اور ان کا جنم ذلیل سے ذلیل تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ ”چنانچہ خواجہ صاحب بھی کہتے ہیں کہ :

ایسے موزی، بدچلن، ظالم ذلیل اشخاص کا
نسل شیطانی میں کرتا ہوں تنزل بارہا

بھگوان فرماتے ہیں: ”اے ارجن! جنم جنم میں شیطانی برائیاں کر کے یہ ذلیل لوگ مجھ سے بتدریج دور ہوتے جاتے ہیں، اور مجھے نہ پا کر بیچ سے بیچ روپ پاتے ہیں۔ ان کی ذلت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہ لوگ ترقی کرنے کی بجائے زوال پذیر ہوتے جاتے ہیں۔“

کتبہ اپنشد میں آیا ہے کہ انسان جیسے اعمال کرتا ہے۔ انہی کے مطابق اسے دوسرا جنم ملتا ہے۔ اگر انسان نے بہت ہی رذیل کام کئے ہو تو اس کی پستی یہاں تک ہو جاتی ہے کہ وہ مرنے کے بعد درخت بن جاتا ہے۔ پھر دوبارہ انسانی قالب حاصل کرنے کے لئے اسے کروڑوں سال درکار ہوتے ہیں۔

گیتا کے اگلے اشلوک میں بھگوان نے یوں کہا:

تری۔ ودہم۔ نرکیہ۔ ادم۔ دو ارم۔ ناشم۔ آتمنا
کاما۔ کرودھا۔ تتھا۔ لوبھا۔ تسمات۔ اتت۔ تریم۔ تنجیت

ترجمہ: اے ارجن! نرک کے تین دروازے ہیں: کام، کرودھ اور لوبھ۔ یعنی شہوت، غصہ اور لالچ۔ یہ تینوں آتما کو پستی سے دوچار کرنے والے ہیں۔ لہذا آدمی کو چاہئے کہ ان تینوں کو ترک کر دے۔

یہ تینوں آتما کے جانی دشمن ہیں۔ ان کو اندر سے مٹا دینا چاہئے، فنا کر دینا چاہئے۔ تب ہی کہیں جا کر روحانی ترقی ممکن ہو سکتی ہے۔

فیضی صاحب نے اس اشلوک کا ترجمہ یوں کیا۔

دروازہ دوزخ اے جواں
طمع ہست و دشمن است و شہوت بداں

یعنی اے انسان! شہوت، غصہ اور لالچ، یہ دوزخ کے تین دروازے ہیں۔ ان تینوں کو چھوڑ دے۔

جس نے ان تینوں برائیوں سے دامن بچا لیا اس کے لئے سکھ ہی سکھ اور شانتی ہی

شانتی ہے۔ پھر تو وہ سورگ و اسی (جنتی) ہو جاتا ہے۔ یہ الفاظ معجز صاحب۔

حرص، خواہش اور غضب، دوزخ کے دروازے ہیں تین
ان سے اپنا دل ہٹا، وہ دل کو لے جاتے ہیں چھین
جہل و بدکاری کے اٹے راستوں کو چھوڑ کر
منزل مقصود تک ہوتا ہے نیکوں کا گزر
گر گیا اخلاق کی معیار سے جن کا خیال
ان کی قسمت میں نہیں عرفان، راحت اور وصال

جب تک انسان کا اخلاق بلند نہ ہو، روحانیت کا دروازہ بند ہی رہتا ہے۔ روحانیت سے
پہلے اخلاق آتا ہے۔ اخلاق ہی وہ بنیاد ہے جس پر روحانیت کی منزل نے تعمیر ہونا ہوتا ہے۔
اس لئے اے دوست! اخلاق کی بنیاد اپنے اندر مضبوط کرو۔ اس کے بعد روحانیت کی
منازل طے کرنا بہت زیادہ دشوار نہیں رہے گا۔

دیوتائی اور شیطانی صفات نامی سولہواں باب ختم۔

تین قسم کی عقیدت

اس باب میں بھگوان فرماتے ہیں: ”اے ارجن! تین گنوں کے مطابق ہی تین قسم کی عقیدت (شرودھا) ہوتی ہے۔ ساتوکی۔ راسی۔ تامسی۔“

پچھے بھی وضاحت کی گئی ہے کہ ستوگن روح کو معرفت کی جانب مائل کرتا ہے۔ رجوگن دنیاوی سکھ اور آرام کا دلدادہ بناتا ہے اور تموگن آدمی میں نیند، بیکاری اور کاہلی پیدا کرتا ہے۔ انہی تینوں گنوں کی بنیاد پر تین قسم کی عقیدت ہوتی ہے۔

معرفت کی جانب مائل انسانوں کی عقیدت بھی عارفانہ ہوتی ہے۔ اسی طرح دنیاوی آسائشات میں دھنسے ہوئے شخص کی عقیدت محض دکھاوے کی یعنی دنیاوی، جبکہ ست، کاہلی اور بیکار شخص کی عقیدت بھی اس جیسی ہوگی۔

بھگوان کہتے ہیں کہ اے ارجن! سب آدمیوں کی عقیدت اپنی ذات پر منحصر ہوتی ہے۔ یعنی باطنی کیفیت کے مطابق۔ ہر شخص کسی نہ کسی شے سے عقیدت ضرور رکھتا ہے۔ عقیدت اور باطن ایک دوسرے کا معکوس ہی ہیں۔ جیسی عقیدت، ویسا باطن۔ جیسا باطن، ویسی عقیدت۔

پھر فرماتے ہیں:

”عارفانہ عقیدت والے دیوتاؤں کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ دنیاوی سکھوں کے شوقین راکشسوں اور تیسری قسم والے لوگ بھوت پریتوں کو پوجتے ہیں۔“

اس اشلوک کا ترجمہ معجز صاحب نے یوں کیا۔

دیوتاؤں کی پرستش ہے طریق عالماں

راکشس اور نیش کی پوجا ہے طرز عالماں

دیدہ و دانش پہ جن کے جہل کا پردہ پڑا

پوجتے پھرتے ہیں بھوت اور پریت کو وہ جا بجا

آگے چل کر بھگوان پھر فرماتے ہیں: اے ارجن! باطنی کیفیت (بھاو) کے مطابق ہی کھانا

پہننا بھی تین قسم کا ہوتا ہے اور ایسے ہی تین قسم کی خدمت خلق اور ریاضت اور دان۔
روح کی ترقی میں لگے ہوئے لوگوں کو روحانی غذا پسند ہوتی ہے۔ ان کی خدمت خلق،
ریاضت اور دان بھی ویسے ہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح دنیا دار اور اس کے بعد کاہل اور جاہل
لوگوں میں یہ بات اپنے اپنے گنوں کے مطابق ہوتی ہیں۔

”اے ارجن! جو کھانا عمر کو بڑھانے والا ہو، جسم اور دل کو طاقت بخشنے، جو تندرستی اور
سکھ دے، جو رسیلا، چکنا اور مقوی ہو، (مثلاً اناج، پھل، سبزیاں، دودھ، دہی، مکھن، گھی،
وغیرہ) ایسے کھانے عارف لوگوں کو پسند ہوتے ہیں۔ ان کھانوں سے روحانی کیفیت میں ترقی
ملتی ہے۔“

بہ الفاظ خواجہ دل محمد۔

غذا جس سے صحت ہو اور زندگی

بڑھے زور و طاقت، خوشی، خرمی

مقوی ہو، پر روغن اور خوشگوار

ستوگن کے شائق کو ہے اس سے پیار

دنیاوی لوگوں (تامسی) کے کھانوں کا ذکر کرتے ہوئے بھگوان فرماتے ہیں:

”کھٹے، ترش، بہت گرم، چٹ پٹے، روکھے اور جلن پیدا کرنے والے کھانے دنیا دار

(رجوگن) لوگوں کو پیارے لگتے ہیں۔ مثلاً لال مرچ، املی، کھٹائیاں، اچار، چٹنی وغیرہ۔ ایسے

کھانے دکھ، رنج اور بیماریوں کا باعث بنتے ہیں۔“

بہ الفاظ خواجہ صاحب۔

سلونی ہو کھٹی کہ کڑوی غذا

جلی، چٹ، پٹی، گرم یا بے مزا

غذا ایسی کھائیں رجوگن کے لوگ

انہیں رنج ہو، دکھ ہو یا تن کا روگ

عام دنیا دار لوگوں کو مصالحہ، مرچ والے اور چاٹ دار کھانے مرغوب ہوتے ہیں۔ گویہ

بیماری اور دکھ کا گھر ہوتے ہیں۔

جاہل اور کاہل لوگوں کے کھانے کے بارے میں بھگوان فرماتے ہیں:

”یاسی، بدبودار، جھوٹا، خراب اور ناپاک کھانا جاہل اور کاہل (تامس) لوگوں کو مرغوب،

ہوتا ہے۔ مثلاً گوشت، مچھلی، انڈا، شراب و دیگر نشہ آور اشیاء۔“

خواجہ صاحب نے یہ بات یوں بیان کی۔

جو باسی ہو، بودار، گندی غذا

ہو بد ذائقہ یا کہ جھوٹی غذا

یہ کھانا تموگن کے بندوں کا ہے

کہ کھانا جو گندہ ہے گندوں کا ہے

صاحبان! معلوم رہے کہ انسان جیسی غذا کھاتا ہے ویسا ہی اس کا من بنتا ہے۔ غذا کا

تعلق نہ صرف جسم سے ہے بلکہ من اور عقل سے بھی ہے۔

چھاندوگیہ اپ شد میں آیا ہے کہ:

آہار۔ شد۔ ستو۔ شدھی

یعنی شدھ (خالص) غذا سے شدھ من اور شدھ عقل پیدا ہوتی ہے۔ عارفانہ غذا سے

عارفانہ من، دنیاوی کھانوں سے دنیاوار من اور جاہلانہ کھانوں سے جاہل من پیدا ہوتے

ہیں۔

تین قسم کی ریاضت

بھگوان فرماتے ہیں کہ عقیدت اور غذا کی طرح ریاضت بھی تین قسم کی ہوتی ہے۔

عارفانہ، دنیاوی اور جاہلانہ۔ یہ تینوں قسم کی ریاضت اپنے اپنے جیسے بندوں سے وابستہ ہے۔

بھگوان جسم، زبان اور من کی ریاضت کا جدا جدا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”انے

ارجن! نیک لوگوں، عالموں، گورو اور بزرگوں کی تعظیم کرنا، پاک بازی، طبیعت کی سادگی،

تجرد، عدم تشدد، شریر یعنی جسم کی ریاضتیں ہیں۔ ان کے ذریعہ جسم مضبوط ہوتا ہے اور تزکیہ

نفس میں مدد ملتی ہے۔“

خواجہ دل محمد کے الفاظ میں۔

آہنا، تجرد، صفا، راستی

بدن کی ریاضت یہی ہے یہی

بھگوان نے مزید کہا: ”دکھ نہ دینے والا اور پریم بھرا ہوا کلمہ بولنا، سچ بولنا، دھرم کی

کتب کا مطالعہ کرنا اور ”اوم“ کا ورد کرنا، یہ زبان کی ریاضت ہے۔ ان سے انسان اپنی

زبان پر قابو پا لیتا ہے اور زبان میں شکتی و تاثیر پیدا ہوتی ہے۔“

یہ الفاظ معجز صاحب۔

راست، شیریں، مصلحت آمیز و پاکیزہ کلام

نیز علمی گفتگو، زہد زبانی ہے تمام
 من کی ریاضتیں کون کون سی ہیں، اس بارے میں بھگوان ارشاد فرماتے ہیں:
 ”من کی سچی تسکین و راحت، من کا ٹھہراؤ، خاموشی (مون)، من کی خواہشات کو قابو
 میں رکھنا اور نیت کی صفائی من کی ریاضتیں ہیں۔“
 من کو ہر حالت میں ٹھنڈا اور پرسکون رکھنا اور دنیاوی سکھ دکھ کی جھونکوں سے من
 میں ہلچل نہ پیدا ہونے دینا، من کی ریاضت ہے۔ اس سے من میں شکتی بڑھتی ہے اور وہ
 بتدریج صاف و پاک ہوتا چلا جاتا ہے۔ روحانیت کے درپے وا ہوتے ہیں اور روحانی ترقی
 بہت آسان ہو جاتی ہے۔

اس اشلوک کا ترجمہ خواجہ صاحب نے یوں کیا۔

سکون دل میں ہو لب پہ ہو خاموشی

نہیں، خیالوں میں پاکیزگی

رہے نفس پر ضبط اور دل ہو رام

اسی شے کا من کی ریاضت ہے نام

آگے چل کر بھگوان فرماتے ہیں: ”اے ارجن! یہ تینوں قسم کی ریاضتیں (تپ) اگر صلے
 کی خواہش چھوڑ کر کی جائیں اور پوری عقیدت سے کی جائیں تو یہ عارفانہ ریاضتیں کہلاتی
 ہیں۔ یعنی ریاضت کی جائے دل سے، مگر پھل کی خواہش چھوڑ کر۔ اگر ایسا کر لیا جائے تو ان
 ریاضتوں کا پھل بہت اعلیٰ ہوتا ہے۔“

اگر دکھاوے کی خاطر اور پھل کی خواہش مقصود ہو تو یہ دنیاوی ریاضت کہلاتی ہے۔
 اس کا انجام دکھ ہوتا ہے۔

اور دوسروں کا نقصان کرنے کے لئے اور خدا سے تکلیف اٹھا کر کئے جائیں تو یہ
 رزیل ریاضت کہلائے گی۔ جو انسان کو جہالت کے اندھیروں میں ڈبو دیتی ہے۔

تین قسم کے دان

”دان دینا میرا دھرم ہے“ جو یہ بات ذہن میں رکھ کر دان کرے اور ایسی جگہ دے
 جہاں سے کسی صلے کی امید نہ ہو اور لینے والے کے استحقاق کی پڑتال کی جائے تو اس
 صورت میں دیا جانے والا دان عارفانہ کہلاتا ہے۔

یہ الفاظ معجز صاحب۔

فرض منصب جان کر، خواہش صلے کی چھوڑ کر

واجب و معقول مسکن اور موزوں وقت پر
مستحق اشخاص کو خیرات دیتا ہے جو زر
عارفانہ ہے سخاوت کی طرف اس کی نظر

دنیاوی یا دکھاوے کے دان کا ذکر کرتے ہوئے بھگوان فرماتے ہیں:

”جو دان صلے کی خاطر اور پھل کی خواہش کے تحت دیا جائے اور دان دینے میں تنگدلی
اور کنجوسی کا مظاہرہ کیا جائے، یعنی مجبوری کے تحت، وہ دنیاوی یا ظاہری دان کہلاتا ہے۔ وہ
دان دنیا دارانہ ہے، اس کا صلہ بھی ضائع ہو جاتا ہے۔“
چنانچہ معجز صاحب فرماتے ہیں۔

جس میں ہو دل کی لگن یا آرزو پاداش کی

یا بہ مجبوری ہو، جو خیرات ہے وہ دنیاوی

جاہلانہ دان کی بابت بھگوان نے یوں فرمایا:

جو دان جگہ، موقع اور لینے والے کے استحقاق کی پڑتال کئے بغیر دیا جائے اور دان لینے
والے کی بے عزتی اور تحقیر کی جائے تو وہ تامسی یعنی جاہلانہ اور رذیل دان کہلاتا ہے۔
جاہل لوگ ہی ایسے دان دینا پسند کرتے ہیں۔

اس اشلوک کا ترجمہ معجز صاحب نے یوں کیا ہے۔

جس کے کرنے میں نہ ہو وقت اور موقع کا خیال

جس سے پورا ہو کسی بدوضع انسان کا سوال

جس پہ ہوتا ہو عمل توہین اور تضحیک سے

ایسی بخشش کا تعلق ہے دل تاریک سے

ایسا دان دینے سے ثواب کی بجائے گناہ ہوتا ہے اور ایسا دان دینے والا جہنم کا حقدار
ہو جاتا ہے۔

ان تینوں قسم کے دان سے متعلق خواجہ صاحب نے یوں فرمایا۔

اتے جان کر فرض خیرات دیں

جو حقدار ہو، جس سے خدمت نہ لیں

مناسب ہو وقت اور موزوں مقام

ستوگن سخاوت اسی کا ہے نام

ہو احساں سے بدلے کی خواہش مگر

سخاوت میں پھل پر نگلی ہو نظر
 اگر بے دلی سے کوئی دان دے
 رجوگن سخاوت اسے جان لے
 اگر نامناسب ہے وقت اور مقام
 اسے دان دیں جس کو دنیا حرام
 جو نے اس کی ذلت کریں دل دکھائیں
 تموگن سخاوت اسی کو بتائیں

اسی باب کے آخری اشلوک میں بھگوان پھر فرماتے ہیں:

اشروہیا۔ تم۔ دتم۔ تپس۔ تپ۔ تم۔ کرتم۔ چا۔ یت

است۔ اتی۔ اچیتے۔ پار تھ۔ نہ۔ چہ۔ ت۔ پر۔ تپ۔ نو۔ اہ

ترجمہ: اے ارجن! ہر کام میں عقیدت لازماً چاہئے۔ عقیدت کے بغیر کوئی بھی کام کامیاب نہیں ہو سکتا۔ عقیدت کے بغیر خدمت خلاق، دان، ریاضت اور فعل سب بیکار اور فضول ہے۔ اس سے نہ تو اس اوک (عالم) میں فائدہ ہوتا ہے اور نہ پرلوک (عاقبت) میں۔ شروہا کے بغیر کسی کام کی کوئی اہمیت نہیں۔“

اس لئے فرماتے ہیں: ”اے ارجن! عقیدت مندی کے ساتھ نیکی کے کام میں لگ جا۔

میرے قول پر داشوا اس کر کے، اس دھرم یدھ میں جٹ جا۔“

اس میں تیری بھلائی ہی بھلائی ہے۔

یہ الفاظ خواجہ دل محمدؐ

ہون، دان میں ہو عقیدت نہ شوق

ریاضت میں ایماں، عمل میں نہ ذوق

ان افعال کا پھر است نام ہے

یہاں ہے، نہ ان کا وہاں نام ہے

نجات کا راز

اس باب میں بھگوان کرشن مہاراج نے ہمیں نجات (مکتی) کا راز بتایا ہے۔ اس کے بارے میں مہاتما گاندھی اپنی کتاب ”اناسکتی یوگ شاستر“ میں یوں رقمطراز ہیں کہ ”یہ باب پچھلے سترہ ابواب کا خلاصہ ہے۔ اس باب کو بلکہ پوری گیتا کے دریا کو اس ایک فقرے کے کوزے میں بند کیا جا سکتا ہے: سب دھرموں کو چھوڑ کر مجھ سے عقیدت رکھ۔ یہ سچا سنیاں ہے۔ لیکن سب دھرموں کو چھوڑنا سب افعال و اعمال کا چھوڑنا نہیں، بلکہ خدمت خلق کے سب اعمال کو بخوبی سرانجام دے کر بھگوان کی نذر کر دینا اور پھل کی خواہش چھوڑ دینا“ اسی کا نام سب دھرموں کا تیاگ ہے۔ اور یہی عین سنیاں ہے۔“

ارجن کے دریافت کرنے پر کہ ”بے سنیاں اور تیاگ میں کیا فرق؟“ شری کرشن بھگوان فرماتے ہیں

کیہ۔ دان۔ تپا۔ کرما۔ نہ تیا جیم۔ کاریم۔ ایو۔ تت

یہ۔ دانم۔ تپا۔ ایو۔ پادنانی۔ من۔ ایٹی نام

ترجمہ: اے ارجن! کیہ، دان اور تپ کبھی بھی نہیں چھوڑنے چاہئیں۔ ان کو سرانجام دینا عین دھرم ہے۔ یہ، دان، تپ تو اونچے انسانوں کو بھی پاک بناتے ہیں۔ آگے پھر فرماتے ہیں: ”کیہ، دان اور تپ و دیگر تمام نیک اعمال بھی تعلق اور پھل کی خواہش چھوڑ کر ضرور کرنے چاہئیں۔ اے ارجن! یہ میری مسلمہ اور اعلیٰ ترین ہدایت سمجھ۔“

پیارے بھائیو! بھگوان نے ان اشلوکوں میں ایک بار پھر زور دیا ہے کہ انسان کے لئے عمل (کرم) چھوڑنا دھرم کے عین خلاف ہے۔ اعمال کی فکر شمر چھوڑ کر اعمال کرنا کیتا کا بنیادی پیغام اور ہدایت ہے۔ یہی بھگوان کی مسلمہ اور اعلیٰ ہدایت ہے اور اسی بات کو بھگوان نے بار بار دہرایا ہے تاکہ ارجن مغالطہ میں نہ رہے اور اسے اچھی طرح سمجھ کر اس کی پیروی کرے۔

فیضی صاحب اس کا ترجمہ یوں کرنے ہیں۔

گناہ، ہست بر آدمی ترک فرض

کہ بر ذمہ اش ہست مانند قرص

مطلب: فرض انسان پر فرض کی مانند ہے۔ جس طرح قرص ادا کرنا ہر انسان پر فرض ہے، جو فرض ادا نہیں کرتا وہ گنہگار ہے۔ اسی طرح اپنے فرض کا ادا کرنا ہر شخص پر لازمی ہے۔ جو فرض پورا نہیں کرتا وہ پست ہے۔

فرض کا ترک کرنا گناہ ہے۔ یہ فریب جہالت ہے۔

معجز صاحب نے ان اشلوکوں کا ترجمہ یوں کیا۔

زہد و تقویٰ، بخشش و اعمال نیک و بے ریا

عالموں کے قلب کو دیتے ہیں نورانی صفا

اس لئے ان کا نہ کرنا ہے سراسر ناروا

بلکہ دانائی سے کرنا فرض ہے، انسان کا

بھگوان کا ارشاد ہے کہ ثمرۂ اعمال کا خیال دل سے دور کر کے انسان کو چاہئے کہ اپنے

فرائض کی تکمیل کرتا چلے، یہی اصل تیاگ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

فعل اور اس کے تاج سے تعلق توڑ کر

فرض کی تکمیل اصل ترک ہے اے نامور

بھگوان نے خصوصیات کے مطابق ہی تین قسم کی عقل بتائی ہے۔ یعنی عارفانہ، دنیاوی

اور جاہل۔ (ساتوکی، راجسی اور تاسی۔)

اے ارجن! جس عقل کے ذریعہ دھرم اور ادھرم کی ماہیت بخوبی معلوم ہو جائے، یعنی

یہ سمجھ آجائے کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں۔ دھرم کیا ہے اور ادھرم کیا۔ کس بات سے

ڈرنا چاہئے اور کس بات سے نہیں۔ نجات کا راستہ کون سا ہے اور کیا چیز ہمیں بندھن

باندھے رکھتی ہے۔ اے ارجن! جو عقل ان باتوں کو ٹھیک ٹھیک جان لے وہ عارفانہ عقل

ہوتی ہے۔ ایسی عقل انسان کو کبھی بھٹکنے نہیں دیتی اور جس عقل سے دھرم اور ادھرم، جائز

فعل اور ناجائز فعل کی شناخت پوری طرح نہ ہو سکے، وہ عقل راجسی (دنیاوی) ہے۔ یعنی یہ

امتیاز نہ ہو سکے کہ دھرم کیا ہے اور ادھرم کیا۔ فلاں وقت مجھے کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں،

ایسی عقل راجسی ہے۔ اس کی رہنمائی میں چلنے سے بے یقینی اور ٹھوکریں ملتی ہیں اور۔۔۔

..... اے ارجن! جو عقل جہالت میں گھری ہوئی ہو، ادھرم کو دھرم مانتی ہو اور اصلی

دھرم سے منحرف ہو، سب باتیں جسے الٹی دکھائی دیں۔ وہ تامسی عقل ہے، وہ آدمی کو ضرور پستیوں میں لے جاتی ہے اور تباہ و برباد کر دیتی ہے۔
ان اشلوکوں کا ترجمہ معجز صاحب نے یوں کیا۔

آشکارا جس سے ہوں قید و نجات و امرونی
وصل و ہجراں، ترک و اخذ، اعلیٰ و فردانگی
حق و باطل، نیک و بد کو جو نہیں پہچانتی
درجہ اوسط کی کہلاتی ہے وہ دانشوری
حق کو باطل جاننا، جھوٹے کو سچا ماننا
خاصہ ہے یہ اے دلاور سب سے کمتر عقل کا
ان کی بابت خواجہ صاحب نے یوں سخن کا جاوہر جگایا۔

ہوں ترک و عمل، خیر ہو یا ہو شر
نجات و اسیری، دلیری کہ ڈر
جو فرق و تمیز ان میں سمجھائے گی
ستوگن وہی عقل کہلائے گی
بتائے نہ جو صاف دھرم اور ادھرم
روا کون ہے، ناروا کون دھرم
تو ارجن! نہیں ہے ستوگن وہ عقل
ہے اپنے گنوں سے رجوگن وہ عقل
گھری ہو اندھیرے میں دانش اگر
جو شر کو کہے خیر، نیکی کو شر
ہر اک بات الٹی، ہر اک میں فتور
توگن وہی عقل ہے بالضرور

تین قسم کا سکھ

اب بھگوان تین قسم کے عزم سے متعلق ارشاد فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے ارجن! عقل کے مانند عزم بھی تین قسم کا ہوتا ہے۔ عارفانہ، دنیاوی اور جاہلانہ۔
عارف لوگوں کا عزم بھی عارفانہ ہوتا ہے، دنیاوی لوگوں کا دنیاوی، اور جاہل لوگوں کا جاہلانہ۔

جس عزم کے ذریعے من، سانس اور حواس کو مراقبہ میں ٹھہرا لیا جائے وہ عارفانہ عزم کہلاتا ہے۔

عام انسانوں کے من، سانس اور حواس میں ہمہ وقت ہلچل اور بے کلی رہتی ہے۔ مگر عزم کے ساتھ دھیرے دھیرے ان سب کو شانت کیا جاسکتا ہے۔ جس عزم کے ساتھ آدمی ضبط نفس میں ترقی پاتا ہے اس کو عارفانہ عزم کہیں گے۔
یہ الفاظ خواجہ صاحب۔

اگر یوگ سے عزم ہو استوار
حواس و دل و دم پہ ہو اختیار
تو اچھا وہی عزم ارجن ! سمجھ
وہی عزم راسخ ستوگن سمجھ
لوگ جس عزم کے ساتھ دنیاوی عیش و عشرت کے لئے کوشش میں لگے رہتے ہیں،
ان میں پھنسے رہتے ہیں اس عزم کو دنیاوی عزم کہتے ہیں۔

مگر عزم وہ جس میں ہو شوق زر
فرائض سے مقصد ہو فکر ثمر
ہوا و ہوس سے رہے التفات
رجوگن ہے ارجن ! وہ عزم و ثبات
اور جس عزم کے ساتھ کامل آدمی، کاہلی اور سستی میں مبتلا رہتے ہیں اس کو تامسی
(جاہلانہ) کہتے ہیں۔ جاہلانہ عزم سے آدمی کو نیند، خوف، ملال، غفلت اور بے ہودگی بڑھتی
ہے۔ ست فطرت والے آدمی کو ویسی ہی باتیں پسند ہوتی ہیں۔ وہ ہر وقت اس نیند، غفلت
اور بے ہودگی میں لگا رہتا ہے۔ ان میں ہی کوشاں رہتا ہے۔
یہ الفاظ خواجہ صاحب۔

اس کے بعد بھگوان تین قسم کے سکھوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یت۔ تت۔ اگرے۔ دشمن۔ او۔ پریناے۔ امرت۔ اوہم

تت۔ سکھم۔ ساتوکم۔ پروکتہم۔ آتم۔ بدھی۔ پرسار۔ جم

ترجمہ: اے ارجن! جو سکھ شروع میں تو زہر کی طرح کڑوا لگے اور آخر میں امرت کی
طرح میٹھا ہو اور جس سکھ سے روح اور عقل کی تسکین ہو، وہ عارفانہ سکھ ہے۔ یہ سکھ تو
کسی خوش نصیب کے حصہ میں ہی آتا ہے۔ اور

وشے۔ اندریے۔ سن۔ یوگات۔ یت۔ تت۔ اگرے۔ امرت۔ اوہم

پرناے۔ وشم۔ او۔ تت۔ سکھم۔ راجسم۔ سمرتم

ترجمہ: جو سکھ خواہشات اور حواس کے ملاپ سے پیدا ہو، یعنی لذت نفس کی صورت میں ہو، جو شروع میں امرت کی طرح میٹھا اور آخری میں زہر کی مانند کڑوا ہو، وہ دنیاوی سکھ ہے۔ ساری دنیا اسی سکھ پر لٹو اور فدا ہو رہی ہے۔

یت۔ اگرے۔ چہ۔ انوبندھے۔ چہ۔ سکھم۔ موہنم۔ آتمنا

ندرا۔ آسیہ۔ پرماو۔ اوتم۔ تت۔ تاس۔ ادا۔ ہرتم

ترجمہ: جو سکھ شروع اور اخیر میں آتما کو حرص میں ڈالنے والا ہو، اور نیند، سستی اور کاہلی سے پیدا ہو، وہ تاس یعنی جاہلانہ سکھ کہلاتا ہے۔ اس سکھ سے جہالت اور بے عقلی فروغ پاتی ہے۔ عقل موٹی اور کند ہو جاتی ہے۔

ان تینوں کا ترجمہ معجز صاحب نے یوں کیا ہے۔

ابتداء میں زہر سا ہو، آخرش آب حیات
سب سے درجہ میں بڑا ہے وہ سرور علم ذات
نفس کو محسوس ہو اول جو آب زندگی
سم قاتل ہے وہ آخرکار لطف دنیوی
عیش و عشرت، خواب و خور، بیداشی و کاہلی
جس سے پیدا ہوں، وہ آسائش ہے ادنیٰ قسم کی

فطری اعمال

اس کے بعد بھگوان کرشن ارجن کو برہمن، کھشتری، ویش اور شودر کے فطری اعمال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں (بہ الفاظ معجز صاحب)۔

ضبط نفس و دل صفا و زہد، صدق و انکسار
علم ظاہر، عشق باطن ہے، برہمن کا شعار

یہ برہمن کے فطری اعمال ہیں۔

کھشتری کے فطری عمل کی بابت فرماتے ہیں:

شوریم۔ تیجو۔ دھرتی۔ داکنیم۔ یدھے۔ چہ۔ اپیہ۔ پلاشیم

وانم۔ ایثور۔ بھاو شچ۔ لھیاترم۔ کرم۔ سوہاوا۔ جم

ترجمہ: بہادری، شجاعت، رعب، استقلال، ہوشیاری، جنگ میں کبھی بھی پیٹھ نہ دکھانا،

حکومت کرنا کشتری کے فطری اعمال ہیں۔
یہ الفاظ معجز صاحب۔

شان، استقلال، بیباکی، شجاعت، زیرکی
فیض اور فرماں روائی ہیں صفات کشتری
کھیتی باڑی کرنا، گائے پالنا، تجارت کرنا، ویش کے فطری اعمال ہیں اور برہمن کشتری
ویش کی سیوا کرنا شور کا فطری کام۔

گلہ بانی، کھیتی اور بیوپار ہے ویشوں کا فرض
خدمت و فرماں بری ان سب کی ہے شوروں کا فرض
اگلے اشلوک میں بھگوان نے فرمایا:

سوئے۔ سوئے۔ کرمنڑی۔ ابھی۔ رتا۔ سم۔ سدھم۔ لبھتے۔ نرا
ترجمہ: اپنے اپنے کرم (فرائض) میں لگا ہوا آدمی پر م سدھی یعنی نجات اخروی حاصل
کرتا ہے۔

سب کو ملتا ہے ادائے فرض سے اوج کمال
صاحبان! ان اشلوکوں میں بھگوان نے واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ اپنے اپنے فرائض کو
پورا کرنے سے ہی انسان مکتی پاتے ہیں۔ کرم کو چھوڑنے سے مکتی نہیں مل سکتی۔
چنانچہ لوگمانیہ تک جی اس مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اعمال میں کوئی
اونچ نیچ نہیں۔ اونچ نیچ کا فرق تو صرف خیالات و جذبات میں ہے۔ یعنی عارفانہ خیال سے
عمل کرنے والے چاہے برہمن ہوں یا کشتری، ویش ہوں یا شور، سب کے سب نجات
کے حقدار ہوتے ہیں۔

مہاتما گاندھی جی نے بھی فرمایا کہ معاشرہ میں ایک آدمی کی ڈیوٹی جھاڑو دینے کی ہے
اور دوسرے کی حساب کتاب رکھنے کی۔ حساب رکھنے والا ہرچند برتر ہی سمجھا جائے گا۔
لیکن جھاڑو دینے والا اگر اپنا کام چھوڑ دے تو حساب رکھنے والے کے لئے بھی اپنا کام
مشکل ہو جائے اور معاشرہ کو نقصان پہنچے۔ ایشور کے دربار میں دونوں کی خدمت کا صلہ ان
کی نیوٹوں کے مطابق دیا جائے گا۔ اگر دونوں اپنا اپنا فرض بے لوث ہو کر ادا کر کے اسے
پرہتیا کی نذر کر دیں تو دونوں ہی یکساں طور پر نجات کے مستحق ہوں گے۔

اس سے آگے بھگوان کرشن ارجن سے یوں کہتے ہیں: ”اے ارجن! میرا بھگت (معتقد)
دنیاوی کاروبار کرتا ہوا بھی مکت ہو جاتا ہے اور نجات حاصل کر لیتا ہے۔“

میرا بندہ کاروبار ونوی کرتا ہوا
 میری رحمت سے ہے رہو منزل جاوید کا
 ”اس لئے اے ارجن! تو میرا کہنا مان کر جنگ میں لگ جا اور اپنا کھشتری دھرم پو
 کر۔ اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو پاپی بنے گا۔“
 چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر تو نے انانیت (ابھکار) کے اثر میں آکر میرا کہنا نہ مانا اور جنگ
 میں شامل نہ ہوا تو تباہ ہو جائے گا۔

گر تو میری اس نصیحت پر نہ ہوگا کاربند
 زعم سے اپنے فنا ہو جائے گا اے ہوشمند
 اس کے بعد بھگوان نے ارجن سے یوں کہا، اے ارجن۔

میری خاطر کر ریاضت، مجھ میں اپنا دل لگا
 میرے پیارے مجھ کو دے تعظیم، مجھ پر ہو فدا
 تجھ سے میں کرتا ہوں وعدہ اس کو سچا جان لے
 بہرہ ور ہوگا تو آخر کار میرے وصل سے
 نقش ہستی کو مٹا دے، سایہ رحمت میں آ
 بخش دوں گا تجھ کو میرے قول پر ایمان لا

اے ارجن! تو میرا حکم مان اور مجھ میں دل لگا کر جنگ میں جٹ جا۔ میں تجھے تمام
 گناہوں سے ماورا کر دوں گا۔

پھر بھگوان کرشن ارجن سے پوچھتے ہیں: ”اے ارجن! کیا تو نے میری ہدایات کو پوری
 توجہ سے نا؟ کیا تجھ میں لاعلمی کی وجہ سے جو محبت کے جذبات پیدا ہوئے تھے، وہ اب دھل
 گئے ہیں، یا باقی ہیں؟“

کیا میری تقریر گوش ہوش سے تو نے سنی؟
 ہٹ گیا کیا تیرے دل سے پروہ وہم خودی؟

اس پر ارجن بولا: اے بھگوان!

نشو۔ موہا۔ سمرتی۔ لبدھا۔ تودت۔ پرسادات۔ میا۔ اچیت
 ستھو۔ اسی۔ گت۔ سندہما۔ کرٹھے۔ وچنم۔ تو

ترجمہ: آپ کی مہربانی سے میرا ڈر خوف بالکل مٹ گیا ہے۔ اب میں بخوبی سمجھ گیا
 ہوں۔ میرا شک دور ہو گیا ہے۔ میں آپ کا حکم بجا لاؤں گا۔

یہ الفاظ معجز صاحب۔

آپ کی برکت سے میری عقل روشن ہوگئی
میں نے کامل طور پر اپنی حقیقت جان لی
مجھ کو اطمینان و استقبال حاصل ہوگیا
بے تامل آپ کا ارشاد لاؤں گا بجا

یہ کہہ کر ارجن نے زمین پر بھینکا ہوا کمان (دھنش) پھر سے اٹھا لیا۔ اور پوری
سرگرمی سے لڑائی میں مشغول ہوگیا اور دشمنوں کو غارت کر کے فتح پائی۔
شرمند بھگوت گیتا کا آخری اشلوک ہے:

تر۔ یوگیش ورا کر شنور۔ تر۔ پار تھ۔ دھنش۔ دھرا

تر۔ شری۔ دے۔ بھوتی۔ دھروا۔ نتتی۔ متی۔ مم

ترجمہ: نئے راجہ دھرت راتھ سے کہتا ہے: ”اے ارجن! اور کیا کہوں؟ جس طرف
یوگیشور شری بھگوان کرشن ہیں اور دھنش دھاری (ماہر تیراندازی) ارجن ہے، اس طرف
تو فتح ہی فتح ہے۔ اقبال ہی اقبال ہے۔ سعادت ہی سعادت ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے۔

جدھر	ہیں	کرشن	مہراں
یوگیشور	ہیں	خود	جہاں
جدھر	ہے	صاحب	کماں
وہ	ارجن	ایسا	پہلوں
وہیں	ہیں	شاد	کامیاں
وہیں	خوش	انتظامیاں	
وہیں	ہیں	کامرانیاں	
وہیں	ہیں	شادمانیاں	

تو صاحبان! اس اشلوک کے مفہوم کو بخوبی واضح کرتے ہوئے لوکمانیہ تک جی مہاراج
اپنی کتاب ”گیتا رہیہ“ میں لکھتے ہیں: فتح وہاں ہوگی، جہاں قوت اور حکمت عملی دونوں جمع
ہوں گی۔ اکیلی حکمت عملی یا اکیلی طاقت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ حکمت عملی کے بغیر طاقت
اندھی ہے اور طاقت کے بغیر حکمت عملی بیکار۔ ان دونوں کے ملاپ سے ہی نصرت و فتح ملتی
ہے۔ جب تک یہ دونوں اکٹھی نہ ہوں فتح مشکل ہے۔“

آخر میں قارئین سے یہی درخواست ہے کہ اپنے اندر قوت اور حکمت عملی پیدا
کریں۔ عمل اور نیکی کی قوت اور اس پر عمل کرنے کی حکمت عملی، پھر تو فتح ہی فتح ہے۔

بے لوث عمل کی کتاب..... گیتا

صاحبان! یہ ہے گیتا کی شان۔ گیتا کی پند و نصائح نے ارجن سے وہ کمان اٹھوا لیا جو اس نے مایوس ہو کر پھینک دیا تھا۔ اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ گیتا دھرم یدھ یعنی حق سچ کی خاطر جنگ کرنے کا درس دیتی ہے، نہ کہ دنیا سے بھاگ جانے کا۔ پھل کی امید (آشا) کو چھوڑ کر اپنا فرض پورا کرنا گیتا کا مرکزی مضمون ہے جس کو بے لوث عمل کہتے ہیں۔ اسی لئے اس کو بے لوث عمل کی کتاب (کرم یوگ شاستر) کہا جاتا ہے۔

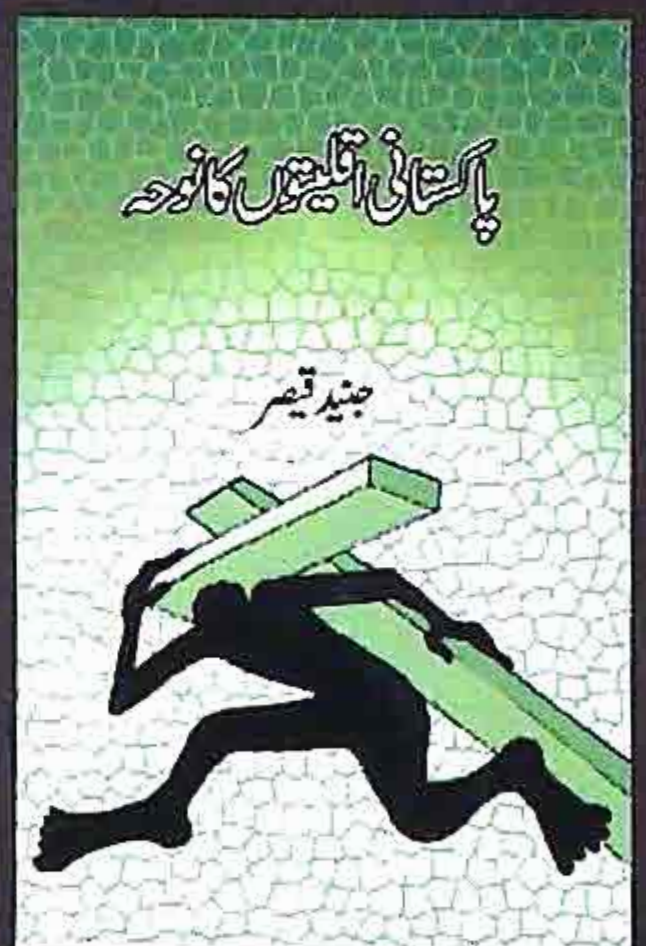
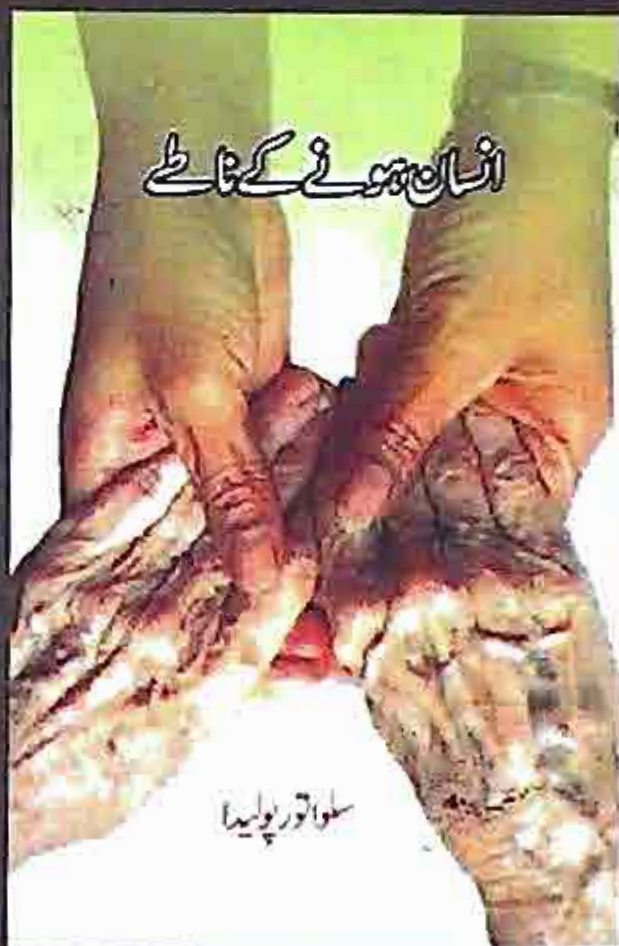
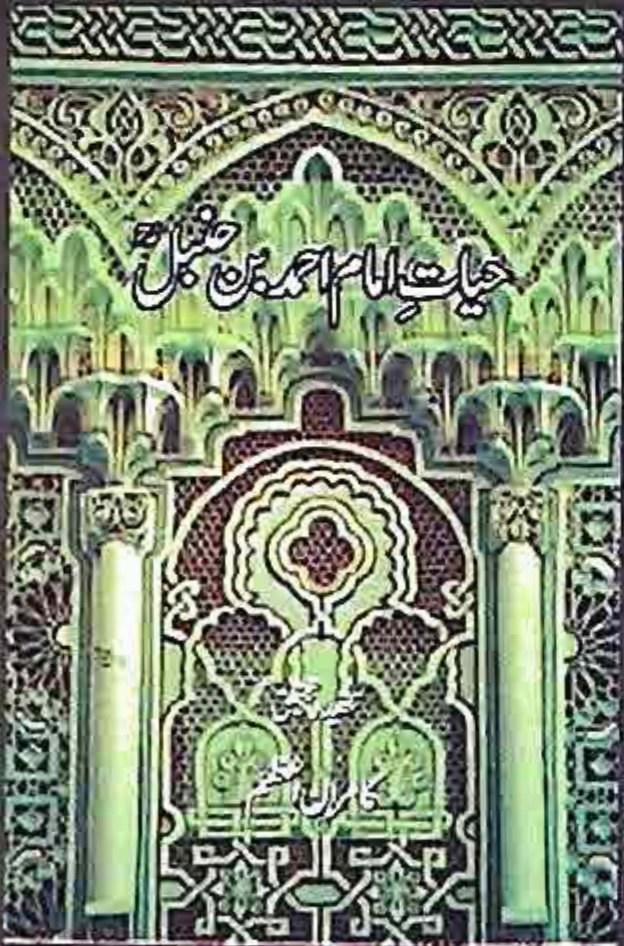
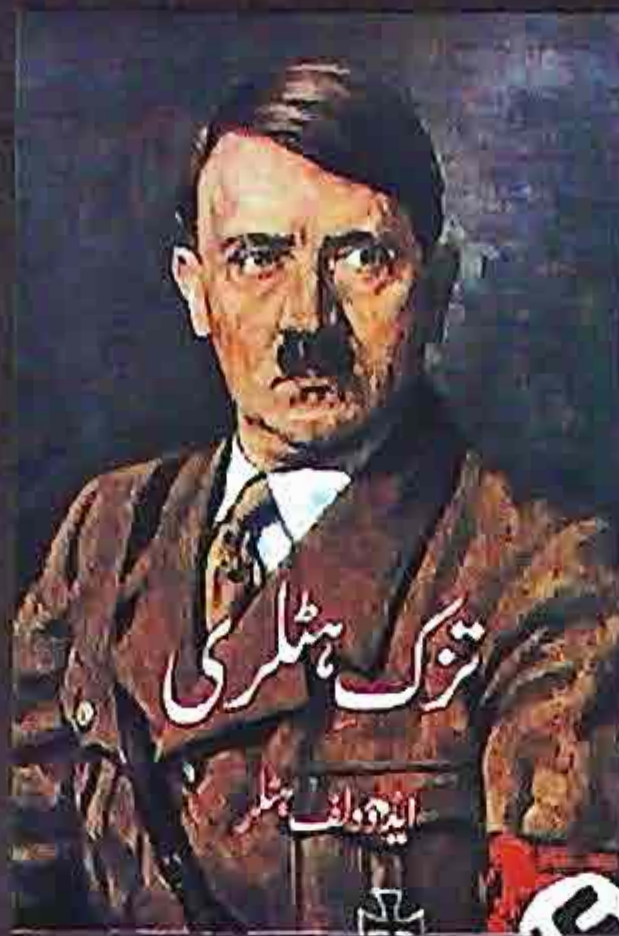
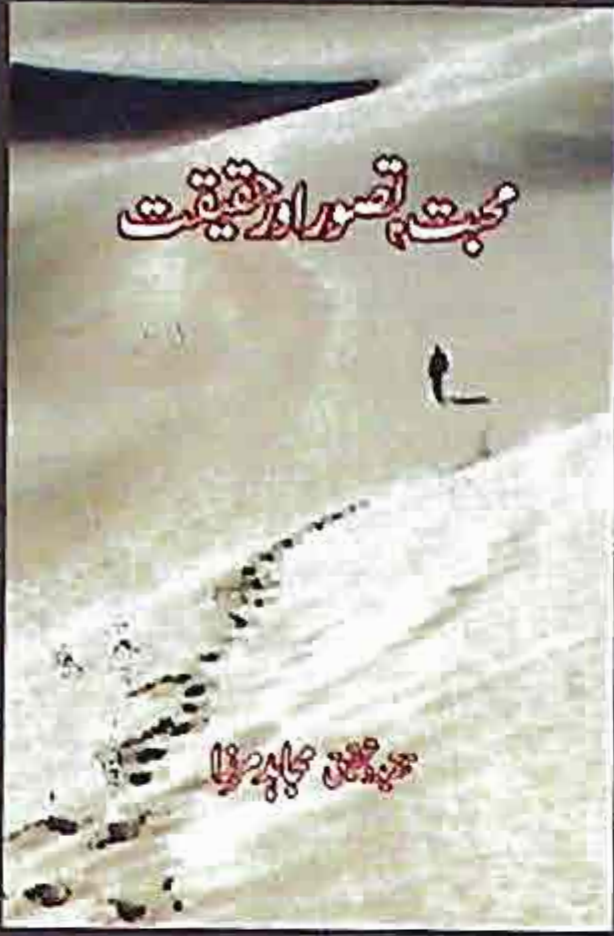
گیتا کا مرکزی خیال ”پیغام عمل“ ہے۔ بہ الفاظ خواجہ دل محمد صاحب گیتا کہتی ہے۔

تجھے کام کرنا ہے او مرد کار
نہیں اس کے پھل پر تجھے اختیار
کئے جا عمل اور نہ ڈھونڈ اس کا پھل
عمل کر، عمل کر، نہ ہو بے عمل

گیتا کا اصل پیغام یہ ”پیغام عمل“ ہی ہے۔ مہاتما گاندھی کا بھی فرمان ہے کہ ”بے لوث عمل ہی گیتا کا مرکزی موضوع ہے۔ بھگتی اور گیان وغیرہ کو اس کے ارد گرد سجاوٹ کے لئے چنا گیا ہے۔“

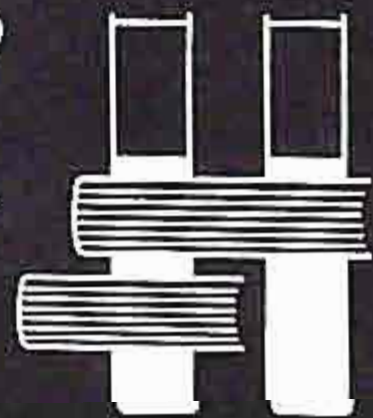
اوم تت ست

www.kitabosunnat.com



فِکشن ہاؤس

18-مزنگ روڈ لاہور



E-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

Ph:042-7249218, 7237430